آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں

از

عمیرہ احمد

وہ آہستہ سے دروازہ بجا کر اس کے کمرے میں داخل ھوگئیں۔ وہ بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھا ھوا کچھ پیپرز دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں اس وقت اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر حیران ھوا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ھی تو نانی امی کے کمرے میں امی کو سلام کر کے آیا تھا۔

کیا بات ھے امی آپ سوئی نہیں اس نے پوچھا تھا۔

امی کوئی جواب دیئے بغیر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

کیا بات ھے امی اس نے پہلی بار ماں کا چہرہ غور سے دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ ستا ھوا تھا۔ شاید وہ روئی بھی تھیں۔ یہ چیز اس نے نانی کے کمرے میں نوٹ نہیں کی تھی اور یہ نوٹ کرتے ھی اس کی بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ھوگیا تھا۔

امی کیا ممانی سے کوئی جھگڑا ھوا ھے اس نے ماں کی خاموشی پر ایک اور سوال کیا تھا۔

نہیں۔ کوئی جھگڑا نہیں ھوا۔ تم اس دن بات کر رھے تھے کہ کوئی گھر لے سکتے ھو الگ رھنے کے لئے

ھاں تو معیز نے کھوجتی ھوئی نظروں سے ماں کے چہرے کو دیکھا۔

تو پھر لے لو۔ میرا خیال ھے اب ھمیں الگ ھی رھنا چاھئے اور پھر اس طرح تمہیں بھی سہولت ھو جائے گی۔ ان کے لہجے میں عجیب سی شکست خوردگی تھی۔

یہ اچانک آپ جانے پر راضی کیسے ھوگئیں، پہلے تو آپ مان ھی نہیں رھی تھیں۔

وہ کچھ حیران ھوا تھا لیکن وہ جواب میں چپ سادھ کر رہ گئی تھیں۔ کیسے بتا دیتیں آج بھائی کی باتوں نے ان کا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔

معیز دس سال کا تھا جب وہ بیوہ ھو کر بھائی کے در پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے تین بھائی تھے جو پہلے اکٹھا رھتے تھے اور بعد میں انہوں نے اپنے پورشن الگ کر لئے تھے۔ عدت کے پوار ھوتے ھی بھائی انہیں لینے آ پہنچے تھے۔ لیکن وہ معیز کو ساتھ نہیں لانا چاھتے تھے اور رابعہ معیز کو چھوڑنا نہیں چاھتی تھیں اور ان کی یہ ضد ھی معیز کو ننھیال لانے کا سبب بنی تھی۔ وہ شادی کے پانچ سال بعد پیدا ھوا تھا اور ان کا اکلوتا بیٹا تھا ان کے شوھر ناصر مسقط میں کسی فرم میں انجینئر تھے اور وہ بھی اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ شادی کے پندرہ سال انہوں نے جیسے ایک مستقل بہار میں گزارے تھے۔ روپے پیسے کی ریل پیل تھی اور ساس سسر چاھنے والے تھے۔

معیز شادی کے پانچ سال بعد پیدا ھوا تھا اور جیسے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ھوا تھا۔ کون سا ناز نخرہ تھا جو اس کا نہیں اٹھایا گیا تھا۔ وہ صرف ماں باپ کا ھی نہیں بلکہ خالاؤں اور ماموؤں کا بھی چہیتا تھا اور ھوتا کیوں نہ اس وقت رابعہ کے پاس بے تحاشہ روپیہ تھا جو وہ کھلے دل سے اپنے بھانجے بھانجیوں پر لٹاتی تھی۔ لاڈ پیار نے معیز کو اس طرح بگاڑا تھا جیسے اکثر اکلوتے بچے بگڑتے ہیں۔ وہ تعلیم میں اچھا تھا لیکن آؤٹ اسٹینڈنگ نہیں تھا اور ضد میں تو کوئی اس کا ثانی نہیں تھا جو بات ایک بار اس کے منہ سے نکل جاتی وہ جیسے پتھر پر لکیر ھو جاتی۔ دنیا ادھر کی ادھر ھو سکتی تھی مگر وہ نہیں لیکن

اس وقت کسی کو اس کے غصے اور ضد پر پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ وہ لاکھوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا پھر کون تھا جو اس میں نقص نکالنے کی حماقت کرتا۔ ان ہی دنوں رابعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کی بیٹی سعدیہ سے معیز کی نسبت طے کر دی تھی۔ دونوں خاندان اس رشتے پر بہت خوش تھے۔

معیز اس وقت آٹھ سال کا تھا جب یہ ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ ناصر کو پھیپھڑوں کا کینسر ہے۔ یہ تشخیص ہو جانے کے بعد انہیں ملازمت سے ریٹائر کر دیا گیا۔ رابعہ پر جیسے ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ انہیں ملازمت ختم ہونے کا افسوس نہیں تھا۔ انہیں تو صرف ناصر کی صحت یابی کی فکر تھی۔ ناصر کو ساتھ لئے وہ باہر کے ممالک میں علاج کے لئے پھرتی رہیں لیکن مختلف آپریشنز کے بعد بھی کینسر ختم نہیں ہوا بلکہ پھیلتا ہی چلا گیا۔ پھر ان ہی دنوں ایک ٹریفک حادثے میں ان کے سسر کا انتقال ہو گیا۔ رابعہ جیسے ایک بار پھر دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی ساس کے ساتھ مسقط سے پاکستان شفٹ ہو گئیں پھر معیز کو اپنی ساس کے پاس چھوڑ کر وہ ایک بار پھر ناصر کو علاج کی خاطر انگلینڈ لے گئی تھیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسقط کی طرح پاکستان میں بھی ان کی جائیداد بک گئی۔ جو روپیہ اکٹھا کرنے میں ناصر اور ان کے باپ کو چالیس سال لگے تھے وہ صرف دو سال میں ختم ہو گیا تھا اور جب وہ دو سال ختم ہوئے تو ناصر بھی ختم ہو گئے تھے۔ رابعہ کے لئے مصیبتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کی ساس کو بھی اپنے بھائیوں کے پاس جانا پڑا اور ان کے بھائی معیز اور رابعہ کی ذمہ داری اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔ رابعہ کی ساس بلکتے ہوئے انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

سب کچھ بدل گیا۔ کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔ بھائیوں کے پاس آ کر رابعہ کو پہلا احساس یہی ہوا تھا۔ وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ہی لوگ بھی بدل گئے تھے۔ وہی بھائی بھابیاں جو انہیں بلانے کے لئے مسقط فون کیا کرتے تھے۔ اب انہیں گھر لانے کے بعد یہ طے کرنے میں مصروف تھے کہ وہ کس کے پاس رہیں گی اور انہیں خرچ کون دیا کرے گا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد انہوں نے رابعہ پر دوسری شادی کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ صرف ایک ایسی چیز تھی جس پر رابعہ کوئی دباؤ برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوئی تھیں۔ ناصر ان کے لئے کیا تھے اور ان کے ساتھ گزارے ہوئے سترہ سال وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کے بھائی یہ سمجھنے سے قاصر تھے رابعہ کی ضد کے سامنے وہ جھک تو گئے تھے مگر ان کے رویے روز بروز بد سے بدتر ہوتے گئے تھے۔ وہ کئی کئی دن انہیں مخاطب نہ کرتے۔

بھابیاں جو بات بلاواسطہ نہیں کہتی تھیں وہ بالواسطہ طور پر کہہ دیتی تھیں۔ ان کی ماں خود بھی بیٹوں اور بہوؤں کے رحم و کرم پر تھیں۔ وہ ہمیشہ انہیں صرف صبر کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ بہنیں وہ تھیں جو بھائیوں کے گھر آتیں تو کوشش کرتیں رابعہ سے ملے بغیر ہی چلی جائیں کیونکہ رابعہ کے ساتھ زیادہ گرم جوشی برتنے کا مطلب یہ ہوتا کہ انہیں پہلے بھابیوں اور

بھائیوں کی بے رخی کا سامنا کرنا پڑتا ، ویسے بھی وہ جس سوشل اسٹیٹس کی حامل تھیں وہ متقاضی
تھا کہ وہ صرف بھائیوں ہی سے میل جول رکھیں ۔ رابعہ تو اب وہ اسٹیٹس کھو چکی تھیں اور دوبارہ
اسے حاصل کرنے کا دور دور تک امکان نہ تھا ۔ لیکن جو بھی تھا ۔

رابعہ کا حوصلہ اور صبر کمال کا تھا ۔ انہوں نے کبھی کسی سے شکوہ نہیں کیا ۔ ایک چپ کی مہر تھی
جو انہوں نے اپنے ہونٹوں پر لگا لی تھی ۔ انہوں نے گھر کی پوری ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا
لی تھی ۔ ان کے بڑے بھائی کے گھر دو تین ملازم تھے اور وہی سارا کام لیا کرتی تھیں جیسے وہ
اپنے بھائی کی ہاؤس کیپر ہوں ۔ ان کی خدمت کے عوض انہیں رہائش اور تین وقت کا کھانا میسر
تھا ۔ ہر ماہ ان کو ایک بھائی ہزار روپے دے جاتا

اور وہ انہیں ہزار روپوں میں اپنے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرتیں ان کے ذاتی
اخراجات کچھ نہیں تھے ۔ ہاں معیز کا خیال انہیں رکھنا پڑتا تھا ۔ وہ اسی اسکول میں داخل تھا جہاں
ان کے بھائیوں کے بچے داخل تھے ۔ اس میں ان کے بھائیوں کا کوئی کمال نہیں تھا ۔ اپنی ساس
کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونے کے بعد انہوں نے خود ہی اسے اس اسکول میں داخل کروایا تھا
کیونکہ تب ان کے پاس روپے کی کمی نہیں تھی ۔ لیکن اب انہیں اسکول کی فیس اور دوسرے
اخراجات پورے کرنے کے لئے جو جتن کرنے پڑتے وہ ان کا دل ہی جانتا تھا ۔ اتنی تعلیم یافتہ تو
وہ تھیں نہیں جو اچھی جاب کر سکتیں اور اگر تعلیم یافتہ ہوتیں بھی تب بھی ان کے بھائیوں کی
غیرت کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ وہ کوئی جاب کریں ۔ ایک سے بڑھ کر ایک امتحان انہیں درپیش
تھا ۔

اور ان ہی امتحانوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے پتہ نہیں کم ان کی توجہ معیز سے ہٹ گئی
تھی ۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی بھابھی کا کوئی نہ کوئی کام کر رہی ہوتیں اور اس ساری جدوجہد کا فائدہ
یہ ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی ان کے اخراجات پورے کر ہی دیتا تھا ۔ اسی بھاگ دوڑ میں انہیں پتہ ہی
نہیں چلا کب معیز ذہنی طور پر بالغ ہو گیا ۔ اس نے بلاشبہ باپ کی بیماری اور موت کو بے حد
محسوس کیا تھا اور وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا ۔ شروع میں اسے ماموؤں کے گھر آ کر رہنا بہت
اچھا لگا تھا کیونکہ اسے ہمیشہ سے یہاں آنا پسند تھا کیونکہ یہاں اس کے ساتھ کھیلنے کو بہت بچے
ہوتے تھے اور پھر اس کے بہت ناز نخرے بھی اٹھائے جاتے تھے ۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے پتہ چل گیا تھا کہ پہلے اور اب کے رہنے میں
بہت فرق تھا ۔ اب اسے ڈانٹا جاتا تھا ۔ اس کے کاموں میں روک ٹوک ہوتی تھی ۔ شروع میں
اس کے کزنز اس کے ساتھ بہت فرینک تھے لیکن اپنے ماں باپ کے بدلتے ہوئے رویوں کا
اثر ان پر بھی ہوا تھا اور انہوں نیا سے نظر انداز کرنا شروع کر دیا ۔ پہلے

پہل اسے یہ سب کچھ سمجھ نہیں آیا مگر پھر جب اس نے اس سب پر سوچنا شروع کیا تو
آگہی کے نئے نئے در اس پر کھلتے چلے گئے ۔ سارے فرق اس کی سمجھ میں آنے لگے تھے اور
وہ جیسے شاک میں آتا چلا گیا تھا ۔ بہت نامحسوس طور پر اس میں تبدیلی آنے لگی تھی ۔ اس نے
آہستہ آہستہ اپنے کزنز کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دیا کیونکہ وہ خود کو ان کے برابر کا نہیں سمجھتا تھا ۔ وہ

پہلے والی ضد یکسر ختم ہوگئی تھی۔ اسے ماں کی بے توجہی کی شکایت بھی نہیں رہی تھی۔

وہ اسکول سے آ کر کسی کونے میں اپنا بیگ لے کر بیٹھ جاتا اور ہوم ورک کرتا رہتا، جب ہوم ورک ختم ہو جاتا تو ڈرائنگ کرنے لگتا اور جب اس میں دلچسپی ختم ہو جاتی تو کوئی کتاب نکال کر پڑھنے لگتا، اسٹڈیز میں اب اس کے گریڈز بہت اچھے آنے لگے تھے۔ ہر بار اس کا رزلٹ کارڈ دیکھ کر رابعہ کا سیروں خون بڑھ جاتا۔ انہیں لگتا تھا کہ اس کو ڈاکٹر بنانے کا خواب پورا ہونے والا ہے۔

معیز کے مزاج میں ہونے والی تبدیلیوں کا احساس انہیں پہلی مرتبہ تب ہوا تھا۔ جب وہ ایک صبح اسے اتفاقاً گاڑی تک چھوڑنے چلی گئی تھیں۔ وہ انہیں خدا حافظ کہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ان کے بھائی کے بچے ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ بلامقصد ہی کھڑی رہیں۔ پھر کچھ دیر بعد ان کے بھتیجے اور بھتیجیاں آ گئی تھیں۔

تم آگے ہو کر بیٹھو، کھڑکی کے پاس میں بیٹھوں گی۔ میں تمہیں روز کہتا ہوں پھر تم پر اثر کیوں نہیں ہوتا۔

ان کے سب سے چھوٹے بھتیجے نے آتے ہی بڑی بدتمیزی سے دروازہ کھول کر معیز کو جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔ رابعہ ڈر گئی تھیں کہ معیز ابھی لڑنا شروع کر دے گا اور اسے خدشے کے پیش نظر وہ گاڑی کے پاس آ گئی تھیں مگر معیز بے حد خاموشی سے آگے سرک گیا تھا۔ ان کے سارے بھتیجے اور بھتیجیاں گاڑی میں سوار ہو گئی تھیں اور وہ ان کے درمیان سکڑا ہوا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

گاڑی چل پڑی تھی اور رابعہ کے گال آنسوؤں سے بھیگنے لگے تھے۔ انہیں یاد تھا وہ ہمیشہ کھڑکی کے پاس ہی بیٹھتا تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اسے وہاں سے ہٹا دیتا اور اب معیز کی اطاعت گزاری نے انہیں خوش کرنے کے بجائے ان کا دل چھید دیا تھا۔ جب ناصر زندہ تھے تو بعض دفعہ وہ معیز کی ضد اور غصے سے تنگ آ کر ہر ایک سے پوچھتی رہتیں کہ وہ اسے کیسے ٹھیک کریں اور جب ان کی مشکل حل ہو گئی تھی تو وہ رو رہی تھیں۔ اسی دن اسکول سے واپس آنے کے بعد وہ بہانے بہانے سے معیز کو پیار کرتی رہیں۔

معیز واقعی بدل گیا تھا۔ اس بات کا یقین انہیں تب ہوا تھا جب چند روز بعد ایک روز صبح اسکول جاتے ہوئے انہوں نے اسے پاکٹ منی دینے کی کوشش کی۔

نہیں امی اب میرا روپے خرچ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

بڑی سنجیدگی سے اس نے ماں کا ہاتھ پیچھے کر دیا تھا۔ اس کے الفاظ پر جیسے رابعہ کا سانس ہی رک گیا تھا۔

کیوں بیٹا

بس ویسے ہی ٹک شاپ آتے جاتے بہت وقت لگ جاتا ہے پھر وہاں رش بہت ہوتا ہے ساری بریک تو انتظار میں ہی گزر جاتی ہے پھر پاکٹ منی کا کیا فائدہ۔

وہ اپنا اسکول بیگ بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رابعہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی

تھیں، وہ روپے خرچ کرنے کا کتنا شوقین تھا وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ وہ جب سے اس اسکول میں آیا تھا تب سے روز پانچ دس روپے لے کر جاتا رہا تھا تب کبھی اس نے کینٹین کے دور ہونے کا رونا نہیں رویا تھا پھر اب کیا بات ہوگئی تھی۔ رابعہ کو اپنی بے چارگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

آٹھویں کلاس تک آتے آتے وہ بالکل بدل چکا تھا۔ اس میں پہلی والی کوئی بات نہ رہی تھی۔ اس کا غصہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ماموؤں کی ڈانٹ ڈپٹ کو وہ بڑی خاموشی سے سنتا تھا۔ اس نے کبھی ممانیوں کی کسی بات کا برا مانا نہ ہی کبھی وضاحتیں پیش کرنے کی کوشش کی۔

اس کے چہرے کے نقوش بہت عام سے تھے اور رنگت بھی سانولی تھی۔ اوپر سے وہ تھا بھی دبلا پتلا اور کسی نہ کسی بات پر وہ اپنے کزنز کے مذاق کا نشانہ بنتا ہی رہتا تھا مگر اس نے کبھی پلٹ کر کسی کو جواب نہیں دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے سب کی باتیں برداشت کر لیتا تھا۔ ماموں کے گھر کی دوسری منزل پر موجود اسٹور کو اس نے اپنے کمرے کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور سارا دن اپنے کمرے میں ہی گھسا رہتا۔ پھر اچانک اس نے زیادہ وقت گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا۔

ماں کے استفسار پر اس نے کہہ دیا کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ پڑھتا ہے۔ پھر جیسے گھر سے باہر رہنا اس کا معمول ہی بن گیا تھا۔ رابعہ کو ہمیشہ اس کی بات پر یقین آجاتا کہ وہ دوست کے ساتھ پڑھتا ہے۔ کیونکہ گھر آنے کے بعد بھی وہ زیادہ وقت کتابیں لے کر ہی بیٹھا رہتا تھا۔ پھر جب وہ میٹرک میں آیا تو اس کے باہر رہنے کے اوقات بھی بڑھ گئے۔ لیکن رابعہ پھر بھی مطمئن تھیں۔ پتا نہیں انہیں یہ کیوں نہیں لگا کہ وہ کہیں کوئی غلط کام نہ کر رہا ہو، گھر پر وہ جب بھی ہوتا کسی نہ کسی کو کوئی نہ کوئی کام یاد آتا رہتا اور وہ بار بار اندر باہر کے چکر لگاتا رہتا۔ اب رابعہ کی بھی یہی خواہش ہوتی تھی کہ وہ باہر ہی رہے۔ کم از کم باہر وہ اطمینان سے پڑھتا تو ہوگا۔

میٹرک کے امتحانات میں وہ شاندار نمبروں سے کامیاب ہوا تھا اسکول میں پہلی پانچ پوزیشنز لینے والوں میں سے ایک وہ بھی تھا۔ رابعہ کو ان کی منزل اور قریب لگنے لگی تھی۔ رابعہ کے بھائیوں اور بھابھیوں نے انہیں مبارکباد دی تھی لیکن بجھے دل سے کیونکہ ان کے بچوں میں سے جتنوں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا وہ بمشکل پاس ہی ہوئے تھے۔ پھر اسی شام ان کے بڑے بھائی نے ان سے پوچھا۔

اب معیز نے آگے کیا کرنا ہے

آگے کالج میں ایڈمیشن لے گا۔ رابعہ نے بے حد خوشی سے کہا تھا کیونکہ پہلی بار بھائی نے اتنی دلچسپی سے معیز کے بارے میں پوچھا تھا۔

کالج میں ایڈمیشن لے کر وہ کیا کرے گا اب وہ اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے اس سے کہو اب میرے پاس فیکٹری آجایا کرے۔ مہینے کے اتنے روپے تو میں اسے دے ہی دوں گا کہ وہ اپنا اور تمہارا خرچ اٹھا سکے۔

رابعہ نے گم صم ہو کر بھائی کو دیکھا تھا۔ ان کے لہجے میں ایک عجیب سی بیزاری تھی۔ یہ وہی

بھائی تھا جو کسی زمانے میں کہتا تھا کہ معیز کو ڈاکٹر بننا چاہیے کیونکہ خاندان میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ رابعہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

نہیں بھائی جان ابھی اس نے پڑھا ہی کیا ہے۔ آج کل خالی میٹرک کو کون پوچھتا ہے۔ ابھی تو اس نے آگے پڑھنا ہے۔ پھر اسے شوق بھی ہے۔ انکے لہجے میں لجاجت تھی۔ ان کا بھائی خاموش رہا تھا مگر اس نے جن نظروں سے رابعہ کو دیکھا تھا وہ رابعہ کے وجود کو بھکاری بنا گئی تھیں۔ بیٹے کی کامیابی کی ساری خوشی یک دم ختم ہو گئی تھی۔ لیکن صحیح معنوں میں قیامت تو ان پر تب ٹوٹی تھی جب معیز نے بھی کالج میں داخلہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے پڑھ کر آخر کرنا کیا ہے۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔

رابعہ کو اس کی بات سن کر اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

معیز تم کیا کہہ رہے ہو؟ ان کا لہجے میں بلا کی بے یقینی تھی۔

ہاں امی میں اب پڑھنا نہیں چاہتا۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں آخر کب تک ہم دوسروں کا کھاتے رہیں گے؟ اس نے پھر پہلے کی طرح اپنی بات دہرائی تھی۔

کیا کام کرو گے؟ میٹرک پاس کو کون ملازمت دیتا ہے اگر تمہیں دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے کا اتنا ہی احساس ہے تو کچھ بن کر دکھاؤ۔ اسی لیے کہتی ہوں اپنی تعلیم جاری رکھو۔ ڈاکٹر بنو۔ تم نہیں جانتے تمہارے باپ کو کتنی خواہش تھی تمہیں ڈاکٹر بنانے کی۔ کتنے خواب دیکھے تھے انہوں نے تمہارے لیے۔

وہ ان کی بات پر بڑے عجیب انداز میں ہنسا تھا۔

امی سارے خواب پورے نہیں ہوتے اور جب پتا چل جائے کہ کوئی پورا نہیں ہو سکتا تو اس کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے یہ زندگی میں سکون کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا میں ڈاکٹر بننا نہیں چاہتا تھا۔ چاہتا تھا بالکل چاہتا تھا لیکن جب میں نے آپ کو فیس اور دوسرے اخراجات کے لیے دوسروں کی منت سماجت کرتے دیکھا تو میں نے اپنے دماغ سے ایسے سارے خواب نکال دیئے۔

تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ یہ سب کیوں سوچتے ہو، تم صرف اپنی تعلیم کے بارے میں سوچو، اخراجات کی فکر مت کرو۔

وہ ماں کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ ڈاکٹر بننے کے لیے لاکھوں روپے چاہیے کہاں سے لائیں گی آپ اتنا روپیہ آپ مجھے روپیہ دکھا دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ڈاکٹر بن کر دکھاؤں گا۔ اس بار اس نے بڑے خشک لہجے میں ماں سے کہا تھا۔

میں لے آؤں گی روپیہ، چاہے مجھے اپنے بھائیوں کی منتیں ہی کیوں نہ کرنی پڑیں۔

امی یہ دو چار ہزار کی بات نہیں ہے۔ لاکھوں کا معملہ ہے۔ آپ کیوں اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اپ کے بھائی آپ کو فوراً روپیہ دے دیں گے۔ وہ مجھ پر روپیہ کیوں خرچ کریں گے، اس سے انہیں کیا فائدہ ہوگا۔ میں ان کی اپنی اولاد نہیں ہوں۔ آپ بھی یہ بات سمجھ لیں اور خدا کے لیے ان خوابوں سے باہر آ جائیں اور فرض کریں۔ میں ڈاکٹر

بن بھی جاؤں تب بھی کیا ہوگا۔ پہلے ہاؤس جاب کے لیے سفارشیں ڈھونڈوں گا پھر جاب کے لئے اور اگر بغیر سفارش کے جاب مل بھی جائے تو اس سے کیا ہوگا۔ وہ چار پانچ ہزار روپے میں کیا کروں گا۔نہیں امی جو مجھے چاہئے وہ چار پانچ ہزار سے بہت زیادہ ہے۔ میرے ڈاکٹر بننے سے کچھ نہیں ہوگا۔

رابعہ پتھر کا بت بنی ہوئی اسے دیکھے جارہی تھیں، انہیں لگا تھا سات سال پہلے والا معیز واپس آ گیا تھا۔ضد کرنے والا، کسی کی نہ سننے والا۔ اس کے لہجے میں اتنی ہی قطعیت تھی۔ وہ اپنے لہجے سے کسی طور بھی پندرہ سالہ لڑکا نہیں لگ رہا تھا۔اس کے چہرے پر انہیں جو سنجیدگی نظر آئی تھی۔ وہ تو انہوں نے کبھی کسی اوھیڑ عمر کے آدمی کے چہرے پر بھی نہیں دیکھی تھی۔ رابعہ کو بے تحاشا رونا آیا۔

تمہیں تعلیم دلوانے کے لیے ہی تو میں یہ سارا عذاب سہہ رہی ہوں اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو کہ تم بھی میرے ساتھ دوسروں والا سلوک کرو گے تو میں بھی اسی وقت خودکشی کر لیتی جب تمہارا باپ مرا تھا۔

وہ کہتے کہتے رونے لگی تھیں۔ وہ ماں کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ بے اختیار وہ ماں کے پاس آیا اور ان کے ہاتھ چہرے سے ہٹانے لگا۔

امی میری طرف دیکھیں۔ پلیز میری طرف دیکھیں۔ اس کی آواز میں التجا تھی۔

کیا دیکھوں۔ میں تمہاری طرف کیا دیکھوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے کیا مل جائے گا؟ وہ اسی طرح چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپے روتی رہیں۔

میرے ساتھ ایسا مت کریں امی کم از کم آپ تو ایسا نہ کریں، آپ کو کیا لگتا ہے۔ کیا مجھے تعلیم چھوڑ کر خوشی ہو گی۔ میرا دل جانتا ہے یہ فیصلہ میں نے کس طرح کیا ہے لیکن میں کیا کروں۔ میں آپ کی طرح آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ گھر یہ لوگ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ میں اب ان کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتا امی مجھے اپنے وجود سے گھن آتی ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے کوئی کتا ہوں جسے یہ لوگ دو وقت کی روٹی دیتے ہیں۔ آپ کیوں آئی تھیں یہاں؟ آخر کیوں آئی تھیں ان لوگوں کے پاس۔ میرا باپ ہی مرا تھا دنیا تو ختم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ کہیں محنت مزدوری کر لیتیں۔ کہیں برتن دھولیتیں۔ کسی گھر میں کام کر لیتیں مگر مجھے یہاں کبھی نہ لاتیں۔

وہ پہلی بار معیز کو اس طرح بلکتا دیکھ رہی تھیں۔ اس کے آنسو دیکھ کر وہ اپنا رونا بھول گئیں تھیں۔انہوں نے معیز کو آسائشیں دینے کے لیے اپنے بھائیوں کے در پر آنا پسند کیا تھا اور آج وہی بیٹا اس آرام و آسائش سے نفرت کر رہا تھا۔

امی یہ دیکھیں میرے ہاتھوں کو دیکھیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ یہ ایک مزدو کے ہاتھ ہیں۔پچھلے تین سالوں سے کام کر رہا ہوں اور اب محنت کے علاوہ مجھے کچھ سوٹ نہیں کرے گا۔

وہ اپنے ہاتھ ان کے سامنے پھیلائے کہہ رہا تھا۔ رابعہ حیرانی سے اس کا چہرا دیکھ رہی تھیں۔

معیز تم کام کرتے ہو؟ رابعہ نے بے یقینی سے اس سے پوچھا۔

ہاں معیز کے لہجے میں ایک عجیب سا تفاخر تھا میں نے کام اس وقت شروع کیا تھا جب میں آٹھویں کلاس میں تھا۔ میرے دوست کے باپ کی لیدر کی جیکٹس کی فیکٹری ہے، وہاں میں نے لیدر جیکٹس کی کٹنگ اور سلائی سیکھی ہے۔ میں آپ سے کہتا تھا کہ

میں اپنے دوست کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ میں پڑھتا نہیں تھا میں یہ کام سیکھنے جاتا تھا اور اب تو میں پارٹ ٹائم کام کر کے ہزار ڈیڑھ ہزار کما لیتا ہوں اور امی مجھے یہی سب کچھ کرنا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ میرے لئے اب آپ کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں پڑیں گے۔

اس نے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔

میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا جو آپ اس طرح رو رہی ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ میں اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو گیا ہوں۔ مجھے ابھی آپ کے لیے بہت کچھ کرنا ہے اگر آپ اس طرح میرے راستے میں دیواریں کھڑی کریں گی تو میں کیا کروں گا۔

معیز جیسے منت کر رہا تھا۔ رابعہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

ٹھیک ہے۔ تم جیسا چاہتے ہو ویسا ہی کرو۔

یہ واحد جملہ تھا جو رابعہ کے منہ سے نکلا تھا اور پھر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ رابعہ کے دل میں جیسے جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ آج ان کے سارے خوابوں کے چکنا چور ہونے کا دن تھا۔

عجیب سی بے حسی تھی جو رابعہ پر طاری ہو گئی تھی۔ اب انہیں گھر کے کاموں میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ اس لئے گھر کے کاموں میں جتی رہتی تھیں کیونکہ انہیں معیز کے اخراجات کے لیے روپوں کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ روپے وہ ان سے لیتی تھیں لیکن اب یک دم انہیں روپے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ معیز اپنا سارا خرچ خود اٹھاتا تھا اور انہیں بھی ہر ماہ اتنے روپے دے دیتا تھا کہ انہیں کسی دوسرے سے روپے مانگنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

انہوں نے صرف ایک بار اپنے بھائیوں سے روپے لینے سے انکار کیا تھا اور ان کے بھائیوں نے دوبارہ جھوٹے منہ انہیں روپے لینے کے لیے نہیں کہا تھا۔ شاید وہ بھی اس ذمہ داری سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہتے تھے اور اب آہستہ آہستہ انہیں معیز صحیح لگنے لگا تھا۔ وہ مرد تھا، عمر اور تجربہ میں ان سے کم ہی سہی مگر بہر حال جزبات کی آنکھ سے دیکھنے والی عورت نہیں تھا۔ اب انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ جو بھائی ہر ماہ انہیں ہزار روپے انہیں دیتے دیتے تنگ آ گئے تھے، وہ انہیں اس کی میڈیکل کی تعلیم کے لیے اخراجات کے لیے لاکھوں روپے کہاں سے دیتے۔

انہیں معیز کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کب گھر ہوتا ہے اور کب نہیں۔ اکثر وہ رات کے گیارہ بارہ بجے آتا اور جب ماموں اس کو جھڑکتے تو وہ اوور ٹائم کا کہہ دیتا۔ اب وہ کھانا بھی وہاں سے نہیں کھاتا تھا، اگر کبھی چھٹی کا دن ہوتا تب بھی وہ اپنا کھانا باہر سے ہی لے کر آتا اور ماں کو بھی ساتھ بٹھا لیتا۔ پھر آہستہ آہستہ رابعہ کو یہ سب اچھا لگنے لگا تھا بیٹے کی کمائی تھوڑی سہی مگر پوری طرح ان کی تھی، انہیں اس روپے کو خرچ کرتے ہوئے سوچنا نہیں پڑتا تھا۔ انہیں اس

سے یہ بھی نہیں کہنا پڑتا تھا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔ وہ خود ہی ان کے لیے اکثر کچھ نہ کچھ لاتا رہتا۔ کبھی کپڑے۔ کبھی جوتے کبھی استعمال کی کوئی دوسری شے اور کبھی کھانے کے لیے کچھ۔ وہ پہلے اسے روک دیتی تھیں، اب ایسا نہیں کر پاتی تھیں۔ وہ باہر کیا کرتا تھا۔ وہ مکمل طور نہیں جانتی تھیں مگر دعا ضرور کرتی رہتی تھیں کہ وہ کسی بری صحبت کا شکار نہ ہو۔

چار سال اسی طرح گزر گئے تھے۔ معیز نے پرائیوٹ طور پر گریجویشن بھی کر لیا تھا۔

پھر ایک دن وہ ان کے پاس آیا۔

امی میری فیکٹری کے مالک مجھے ایک کورس کے لیے کوریا بھیجنا چاہتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں آپ یہ بات کسی سے نہ کہیں بس سب سے یہ کہہ دیں کہ میں کسی کورس کے لئے کراچی گیا ہوں۔

رابعہ نے بغیر کسی تردد کے اس کی بات مان لی تھی۔ پھر وہ کوریا چلا گیا۔ وہ انہیں خط نہیں لکھتا تھا، اکثر فون پر بات کرتا تھا۔ جب پورا سال وہ گھر نہیں آیا حتٰی کہ عیدوں پر بھی تو ان کے بھائیوں نے کافی شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا کہ شاید وہ کسی غلط صحبت میں پڑ گیا ہے اور پتہ نہیں وہ واقعی کراچی کورس کرنے گیا ہے یا نہیں۔ انہوں نے رابعہ سے اس کا کراچی کا ایڈریس اور فیکٹری کا پتا پوچھنے کی کوشش کی تھی جہاں وہ کام کرتا تھا مگر رابعہ کو دونوں جگہوں کا پتا نہیں تھا۔

ان کے بھائیوں نے چند دن تک معیز کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا تھا مگر کچھ دن گزرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اسے بھول گئے تھے۔ مگر رابعہ کی بھابیاں انہیں یہ جتانا کبھی نہیں بھولتی تھیں کہ وہ بیٹا ہو کر ان سے بالکل لاپرواہ ہے اور انہوں نے اتنے سالوں سے انہیں اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

سال گزرنے کے بعد وہ جس خاموشی سے باہر گیا تھا اسی خاموشی سے وہ واپس آ گیا تھا ایک بار پھر وہ پہلے کی طرح اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ لیکن اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ مطمئن اور خوش نظر آتا تھا۔

امی مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے

اس دن وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

جہاں میں کام کرتا ہوں وہ جگہ یہاں سے بہت دور ہے۔ آنے جانے میں مجھے بہت پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ وہیں قریب کوئی گھر لے لوں اور آپ کو بھی وہیں لے جاؤں۔ اس طرح مجھے اتنی دور نہیں آنا پڑے گا اور پھر مجھے گھر کی سہولت بھی ہو جائے گی اس نے ماں سے کہا تھا۔

نہیں معیز میں ابھی وہاں کیسے جا سکتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہی ہے تمہاری نانی کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ ان کا خیال میں ہی رکھتی ہوں اور اگر میں چلی گئی تو ان کی دیکھ بھال کون کرے گا اور ویسے بھی تم تو کام پر چلے جایا کرو گے پھر میں پیچھے سارا دن کیا کروں گی

امی ہم نانی کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔

تمہارے ماموں یہ کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ امی میرے ساتھ رہیں۔

وہ ان کی بات پر خفگی سے انہیں دیکھنے لگا۔

امی دیکھیں مجھ سے روز روز یہاں نہیں آیا جاتا۔ کرائے پر بہت سے روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں رات کو دیر سے آتا ہوں تو ماموں بھی اعتراض کرتے ہیں۔ کل انہوں نے مجھ سے کہ دیا ہے کہ اگر مجھے اتنی دیر ہو جایا کرے تو میں گھر آنے کے بجائے وہیں فیکٹری میں رک جایا کروں۔ کیونکہ میرے دیر سے گھر آنے پر دوسرے لڑکوں پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ وہ کافی بے چین تھا۔

معیز تم ایسا کرو تم گھر لے لو ہفتے میں دو تین بار مجھ سے ملنے آ جایا کرو۔ اس طرح تمہیں سہولت رہے گی۔

معیز نے کچھ حیرانی سے رابعہ کو دیکھا تھا۔

یعنی امی آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ پتا نہیں کیوں معیز کو اس بات سے تکلیف پہنچی تھی۔

دیکھو معیز میں تمہاری نانی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اتنے عرصے سے انہوں نے ہمارا خیال رکھا ہوا تھا اب ضرورت کے وقت میں انہیں کیسے چھوڑ دوں پھر مجھے ساری زندگی تمہارے ساتھ ہی تو رہنا ہے۔

انہوں نے بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھایا تھا وہ ہونٹ بھینچے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

ٹھیک ہے امی لیکن اب آپ ذہنی طور پر یہ گھر چھوڑنے کی تیاری کر لیں۔ اب مین اتنا کما لیتا ہوں کہ ہم دونوں الگ رہ سکیں۔

اس نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔ رابعہ یک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔ آج پہلی بار انہوں نے اس کا چہرہ اتنے غور سے دیکھا تھا وہ بہت خوبصورت نہیں تھا لیکن دراز قد اور سڈول جسم نے اسے بے حد پرکشش بنا دیا تھا۔ انہیں وہ بالکل ناصر کی طرح لگا وہ بھی اس کی طرح دراز قد تھا اور نقوش کے اعتبار سے بھی وہ ناصر سے مشابہہ تھا۔ وہی گندمی رنگ جس کی بنا پر وہ بچپن میں اپنے کزن کے تمسخر کا نشانہ بنتا رہا تھا۔ وہ بائیس سال کا تھا لیکن اپنے قد و قامت سے اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔ جوان اور سعادتمند بیٹا کیسی نعمت اور کیسا سہارا ہوتا ہے۔ یہ انہیں آج پتا چلا تھا۔ انہیں اچانک یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ اب کسی کی محتاج نہیں رہیں۔ اب وہ جب چاہتیں اس گھر کو چھوڑ سکتی تھیں۔

معیز دوسرے دن اپنا سامان لے گیا تھا اس نے انہیں بتایا تھا کہ ابھی وہ فیکٹری میں ہی رہے گا کیونکہ اس طرح اسے زیادہ آسانی ہو جائے گی۔ جاتے ہوئے وہ رابعہ کے ساتھ اپنے ماموں کے پاس گیا تھا۔ جنہوں نے اس بات کا قطعاً نوٹس نہیں لیا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے۔ ہاں انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اب اسے اپنا گھر بنا لینا چاہئے جہاں اپنی ماں کو رکھ سکے۔ رابعہ کو بیٹے کے سامنے بھائی کی اس بات پر بڑی کجالت ہوئی تھی مگر معیز نے ماموں کی بات پر جی کہ کر بڑی فرمانبرداری سے سر ہلا دیا تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ معیز اب جب بھی ان سے ملنے آتا تو بہت تھوڑی دیر

کے لیے رکتا تھا لیکن وہ تقریبا روز انہیں فون ضرور کرتا تھا۔ رابعہ کو اس کی کمی تو محسوس ہوتی تھی مگر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتی تھیں کہ بہرحال وہ خوش تو ہے نا۔

پھر انہیں دنوں ان کے چھوٹے بھائی کی بیٹی سعدیہ کی بات طے کر دی گئی تھی۔ انہیں اس بات کا تب پتا چلا جب ان کی بھابھی نے اپنی ساس کو اس بارے میں اطلاع دی تھی۔ رابعہ بھی اس وقت ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے بھونچکا رہ گئی تھیں۔ بھائیوں کی تمام بے التفاقی کے باوجود انہیں پتا نہیں یہ یقین کیوں تھا کہ وہ سعدیہ کی شادی معیز سے ہی کریں گے کیونکہ معیز کے ساتھ بچپن سے ہی اس کی نسبت طے تھی۔ مگر ایک بار پھر ان کی امیدیں غلط ثابت ہوئی تھیں۔

لیکن بھابھی سعدیہ کی نسبت تو بچپن سے ہی معیز سے طے ہے۔ آپ اس کا رشتہ کہیں اور کیسے کر سکتی ہیں، معیز سے اس کی نسبت آپ لوگوں کے اصرار پر ہی طے ہوئی تھی۔

رابعہ خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔ بھابھی نے تیکھی نظروں سے انہیں گھورا اور کہا۔ کون سی نسبت اور کہاں کی نسبت وہ نسبت طے کرنے والے بھی تمہارے بھائی تھے اور یہ نسبت طے کرنے والے بھی تمہارے بھائی ہیں۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے، وہ ان سے کہو مگر ایک بات ذہن میں رکھنا، سعدیہ کبھی بھی تمہاری بہو نہیں بن سکتی۔ میں اپنی بیٹی کو کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی۔ تمہارا بیٹا ہے کیا

وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

رابعہ نے ماں کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

حوصلہ رکھو رابعہ میں تمہارے بھائی سے بات کروں گی۔

ان کیا امی نے جس طرح انہیں تسلی دی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خود بھی اس رشتے کے بارے میں کچھ زیادہ پر امید نہیں تھیں۔ لیکن انہیں خود بیٹے سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرنی پڑی۔ شام ہوتے ہی وہ دندناتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئے تھے۔ نہ صرف وہ بلکہ رابعہ کے دوسرے دونوں بھائی بھی آ گئے تھے۔ انہوں نے رابعہ کے سلام کا جواب دیئے بغیر کڑے تیوروں کے ساتھ کہا تھا۔

کون سے رشتے اور نسبت کی بات کی تھی تم نے یاسمین سے انہوں نے اپنی بیوی کا نام لیا۔

بھائی جان آپ نے بچپن میں خود ہی۔

ان کے بھائی نے ان کی بات کاٹ دی میں نے جو کہا تھا غلط کہا تھا، بکواس کی تھی۔ تم اپنے بیٹے کو کس برتے پر رشتے کے لیے پیش کر رہی ہو وہ ہے کیا چیز کیا وہ کسی بھی بات میں میری بیٹی کے برابر ہے۔ اس کی تعلیم دیکھو اور میری ایم اے پاس بیٹی کو دیکھو، وہ چار پانچ ہزار کمانے والا کاریگر ہے اور میری فیکٹری میں ایسے چالیس کاریگر کام کرتے ہیں۔ وہ جتنی رقم ہر مہینے کماتا ہے میں اتنی رقم ہر ماہ اپنی بیٹی کو خرچ کے لیے دیتا ہوں۔ باقی باتوں کو تم چھوڑو۔ تم شکل دیکھو اپنے بیٹے کی۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ میری بیٹی کے ساتھ کھڑا بھی ہو سکے اور تم مجھے نسبتیں یاد دلا

رہی ہو۔ ہمارے ٹکڑوں پر پل کر جوان ہونے والے کو کیا ہم ساری عمر اپنے سر پر مسلط رکھیں۔

باتیں نہیں خنجر تھے جو وہ باری باری رابعہ کے دل میں گاڑتے جا رہے تھے۔

میرا ہونے والا داماد اسسٹنٹ کمشنر ہے اور تمہارا بیٹا تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ کہیں چپڑاسی بھرتی ہو سکے۔

بھائی جان میں نے سعدیہ کا رشتہ نہیں مانگا تھا۔ آپ نے خود اس کا رشتہ دیا تھا جو باتیں آپ آج کر رہے ہیں وہ آپ کو پہلے سوچنی چاہیئے تھیں۔ رابعہ نے بھرائی ہوئی آواز میں ان سے کہا۔

ہر باپ اپنی اولاد کا اچھا ہی چاہتا ہے۔ اس وقت مجھے لگتا تھا کہ تمہارے بیٹے سے بیاہ کر میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا لیکن تم تو اتنی احمق نکلیں کہ اپنا مستقبل محفوظ نہیں رکھ سکیں۔ میری بیٹی کا کیا رکھتیں۔ جو کچھ تمہارے پاس تھا تم نے شوہر پر خرچ کر دیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ تمہیں اتنی عقل نہیں تھی کہ بیٹے کے لئے ہی کچھ بچا لیتیں جو آج اس کے کام آتا لیکن تم نے تو سب کچھ ناصر پر خرچ کر دیا اور تمہیں اس کا کیا فائدہ ہوا۔

ان کا بھائی انہیں عقل سکھا رہا تھا کہ وہ روپیہ بچا لیتیں اور شوہر کو مرنے دیتیں، وہ روپیہ جسے جمع کرنے میں ان کا کوئی رول نہیں تھا رابعہ کا دل چاہا کہ وہ ان سے پوچھیں کیا یہی سبق وہ اپنی بیوی کو دینا پسند کریں گے۔ مگر انہوں نے صرف اتنا کہا تھا۔

ٹھیک ہے بھائی جان مجھ سے غلطی ہوگئی کہ میں سعدیہ کا ذکر لے بیٹھی۔ آپ سے بہتر اس کا برا بھلا کون سوچ سکتا ہے۔

وہ یہ کہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ کسی دوسرے بھائی بھابھی نے ان کی حمایت میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ سگے رشتوں سے جو تھوڑی بہت انسیت تھی وہ بھی اس دن انہیں ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اسی لئے آج جب تین دن بعد معیز ان سے ملنے آیا تھا تو انہوں نے اسے گھر تلاش کرنے کے لئے کہا تھا۔

لیکن امی آخر بات کیا ہے۔ پہلے تو بالکل انکار کر رہی تھیں اور اب معیز کو ماں کی رضامندی پر حیرانی ہو رہی تھی۔

بیٹے کے نرم لہجے پر خود پر ضبط کرتے ہوئے بھی ان کا جی بھر آیا۔

سعدیہ کی منگنی ہو گئی ہے۔ انہوں نے بھیگی آنکھوں سے اسے بتایا۔

تو اس میں رونے والی کیا بات ہے ماں کے آنسو اس کی سمجھ سے باہر تھے اور رابعہ کے لئے اس کا رویہ ایک لمحہ کو بھی ایسا نہیں لگا تھا جیسے اسے کوئی ملال ہو۔

کیا سعدیہ کی منگنی ہونے پر میرے لئے رونے والی کوئی بات نہیں ہے رابعہ نے شاکی لہجے میں اس سے پوچھا۔

ہاں امی آپ کے لئے رونے والی اس میں کیا بات ہے۔ آخر اس کی شادی تو اس کے ماں باپ نے کرنی ہی تھی پھر خاندان میں ابھی اور بھی لڑکیاں ہیں۔ کیا آپ سب کی منگنی پر اس طرح روئیں گی

سعدیہ کوئی دوسری لڑکی نہیں ہے۔وہ بچپن سے تم سے منسوب تھی پھراب۔

ایک بار پھران کے آنسو چھلک پڑے تھے۔

وہ بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ماں کی افسردگی کا سبب کیا تھا۔اس کے ذہن میں کہیں دور دور تک بھی سعدیہ اور اپنی نسبت کا خیال نہیں تھا، کیونکہ اس نے سعدیہ کو کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا۔بلاشبہ وہ اس خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی اور اسے اس خوبصورتی کا احساس بھی تھا وہ اگر ان حالات کا شکار نہ ہوتا تو شاید وہ بھی بری طرح سعدیہ کے عشق میں گرفتار ہوتا لیکن ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے ساتھ سعدیہ کا جوہتک آمیز سلوک دیکھا تھا اس نے معیز کو کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے نہیں دیا تھا۔اب اسے ماں کے رونے پر ہنسی آرہی تھی۔شاید وہ یہ سوچ رہیں تھیں کہ اسے اس نسبت کے ٹوٹنے کا سن کر بہت دکھ ہوگا۔اس نے بڑے پیار سے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑ لیئے۔

امی اگر اس کی منگنی ہوگئی ہے تو یہ بہت اچھا ہوا ہے۔آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ماموں مجھ سے اس کی شادی کردیں گے۔میں نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچا اور ویسے بھی میں اس کے قابل نہیں ہوں۔اس کے والدین سب ماں باپ کی طرح اپنی بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتے تھے اور یقیناً یہ خوشی دولت سے وابستہ ہوتی ہے اور میرے پاس دولت ہی نہیں ہے اور نہ ہی ابھی آنے کی امید ہے۔پھر وہ کس آس میں سعدیہ کی زندگی برباد کریں۔انہوں نے جو کچھ کیا، بالکل ٹھیک کیا ہے۔آپ خوامخواہ اتنی چھوٹی

سی بات کو دل پہ نہ لگائیں۔

اس نے بڑی نرمی سے انہیں سمجھایا تھا۔

کیا ٹھیک کیا انہوں نے دھوکا دیا ہے۔وعدہ خلافی کی ہے میں دیکھتی اگر ناصر زندہ ہوتے تو وہ یہ سب کیسے کرتے۔اسی لئے میں تم سے کہتی تھی کہ تعلیم نہ چھوڑو۔پڑھو کچھ بن جاؤ تا کہ دولت میں نہ سہی تعلیم میں تو تم اس کے برابر ہوتے پھر کوئی تمہیں اس طرح رد نہ کرتا۔

انہیں اب اس پر غصہ آرہا تھا مگر وہ سر جھکائے بڑے اطمینان سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

تم نے سعدیہ کے بارے میں کچھ سوچا ہو یا نہ سوچا ہو۔میں نے تو ہمیشہ ہی اسے اپنی بہو سمجھا ہے۔کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے تم دونوں کے لیئے۔

وہ ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگیں۔

امی اب بس کریں۔جانے دیں اس بات کو۔مجھے کوئی دکھ نہیں۔کوئی افسوس نہیں ہے تو آپ کو کیوں ہے اور صاف بات تو یہ ہے کہ ابا اگر زندہ ہوتے اور میرے پاس بے تحاشہ دولت ہوتی تو میں تب بھی اس سے شادی نہیں کرتا۔چاہے آپ نے نسبت کے بجائے نکاح ہی کیوں نہ کیا ہوتا۔وہ نازنخروں میں پلی ہے اسے اپنے حسن اور دولت پر بہت غرور ہے اور امی میں بہت سادہ بندہ ہوں۔زندگی کو بہت آرام اور سکون سے گزارنا چاہتا ہوں۔بیوی خوبصورت چاہے ہو یا نہ ہو لیکن اس کی فطرت ضرور اچھی ہو۔وہ کم از کم میری عزت ضرور

کرے میری ہر مہربانی ہر عنایت کو اپنا حق نہ سمجھے اور آپ کی عزت کرے لیکن امی آپ کی بھتیجی میں ایسی کوئی خصوصیات نہیں ہیں۔ اب آپ یہ بیکار کا رونا دھونا ختم کر دیں۔ میں چند دن کے لئے کراچی جا رہا ہوں آپ میری عدم موجودگی میں اپنا سامان پیک کر لیجئے گا۔ میں جس دن واپس آیا اسی دن آپ کو لے جاؤں گا۔

رابعہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ معیز میں کیا کیا تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ انہیں یاد تھا۔

بچپن میں وہ سعدیہ سے بے تحاشہ محبت کرتا تھا اگر کسی کے لئے وہ تھوڑا بہت ایثار کرتا تھا تو وہ سعدیہ ہی تھی۔ مسقط واپس جا کر بھی وہ ضد کر کے فون پر اس سے بات ضرور کیا کرتا تھا اور جب بھی اپنے لئے کچھ لیتا تو ضد کر کے وہی چیز سعدیہ کے لئے بھی ضرور لیتا اور رابعہ ہر دو چار ماہ بعد سعدیہ کے لئے درجنوں کے حساب سے کھلونے اور کپڑے بھجواتی تھیں۔ یہ تو صرف یہاں آنے کے بعد ہوا تھا کہ اس نے آہستہ آہستہ سعدیہ کے ساتھ کھیلنا بند کر دیا تھا اور اب تو یہ عالم تھا کہ اگر کبھی دونوں کا سامنا ہو جاتا تو دونوں ایک دوسرے کو مخاطب بھی نہیں کرتے تھے لیکن وہ یہ دیکھ کر بھی کبھی دلبرداشتہ نہیں ہوئی تھیں پتا نہیں انہیں کیوں یہ لگتا تھا کہ سعدیہ کی شادی معیز سے ہی ہو گی اور کوئی اس میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور ایک بار پھر ان کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی تھی۔

معیز کو سعدیہ سے محبت ہو یا نہ ہو، انہیں سعدیہ سے بے حد محبت تھی گو سعدیہ نے کبھی بھی اس التفات کا اس گرم جوشی سے جواب نہیں دیا تھا۔ اگر وہ کبھی اس کے گھر چلی جاتیں تو وہ صرف سلام دعا کر کے پھر دوبارہ ان کے سامنے نہ آتی پھر بھی رابعہ کو اس سے بہت انس تھا۔

ان کے بھائی نے جو معیز کے بارے میں کہا تھا وہ ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا اور ان کے لئے بہت مشکل تھا کہ وہ اس سب کو بھلا دیتیں۔ معیز کی واحد خامی یہ تھی کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں تھا اور اس ایک خامی نے اس کی ساری خوبیوں کو چھپا دیا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ اس بات پر تکلیف پہنچی تھی کہ بھائی نے معیز کی شکل وصورت کا مذاق اڑایا تھا جب انہوں نے معیز سے سعدیہ کی نسبت طے کی تھی تب بھی وہ اسی شکل وصورت کا مالک تھا لیکن تب فرق صرف دولت کا تھا انہیں ملال تھا کہ بھائی کو اگر انکار کرنا تھا تو کوئی دوسرا بہانہ بنا دیتا اس طرح ذلیل تو نہ کرتا مگر سعدیہ کے باپ کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

چوتھے دن معیز کراچی سے لوٹا تھا اور اسی دن وہ ماں کو لینے آ گیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ باری باری ماں کے ساتھ تینوں ماموؤں کے پورشنز میں ملنے گیا تھا۔ چھوٹے ماموں نے اسے دیکھتے ہی اس پر برسنا شروع کر دیا۔

کتے کو بھی چار دن روٹی دال دو تو وہ بھی مالک کے پیر چاٹتا ہے بھونکتا نہیں وفادار ہو جاتا ہے۔ تم تو کتے سے بھی بدتر نکلے ہو۔

یہ جملہ تھا جو انہوں نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے سن ہو کر رہ گیا کیونکہ وہ اس بات کے سیاق و سباق سے لاعلم تھا۔

ماموں آپ کیا کہہ رہے ہیں

خبردار آج کے بعد تم نے مجھے کسی رشتے سے پکارا۔ تمہیں اور تمہاری ماں کو ترس کھا کر رکھا تھا اور تم آستین کے سانپ نکلے۔ اتنی جرات کیسے ہوئی تمہاری کہ میری بیٹی سے شادی کے خواب دیکھو۔ تم ہو کیا اوقات کیا ہے تمہاری معیز کے ذہن میں سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ اس کے چھوٹے ماموں بری طرح گرج رہے تھے۔ ان کی بلند آواز سن کر ان کے بیوی بچے بھی لاؤنج میں آ گئے۔ معیز کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

ماموں میں نیا می کو رشتے کے لئے آپ۔ اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی

مگر چھوٹے ماموں اس وقت غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ انہوں نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔ یہ فریب کسی اور کو دینا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ماں تمہاری مرضی کے بغیر رشتہ کی بات کرے۔ تم نے سوچا ہوگا کہ امیر ہونے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے، اسی طرح ساری عمر تم میری چوکھٹ پر پڑے رہتے۔ ذرا اپنے آپ کو دیکھو۔ ہو کیا تم؟ بھکاری جو سب کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لنڈے کے کپڑے پہن کر تم سمجھے ہو کہ نواب بن گئے ہو جسے میں شوق سے اپنی بیٹی دے دوں گا اگر اتنے ہی اونچے آدمی ہو تو اپنی ماں کو لے کر جاؤ۔ اسے اپنے پلے سے کھلاؤ۔

معیز کو سکتا سا ہو گیا تھا۔ یہی حال رابعہ کا تھا۔ ذلت کا وہ احساس جو بچپن سے اسے گھیرے ہوئے تھا اب اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے ان کی باتیں اور طعنے سنے تھے اور پھر کچھ کہے بغیر وہاں سے نکل آیا تھا۔ رابعہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں مگر معیز کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ واپس بڑے ماموں کی طرف آ کر اس نے ماں کی چیزیں گاڑی میں رکھنا شروع کر دیں تھیں۔ پھر وہ انہیں لے کر باہر آ گیا تھا۔

معیز یہ کس کی گاڑی ہے؟ رابعہ نے قدرے حیرانی سے اس سے پوچھا تھا۔

امی میری نہیں ہے، کسی دوست کی ہے۔ اس لیے لایا ہوں تاکہ آپ کو آسانی رہے۔ رابعہ کو اس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جس نے اپنی گاڑی تمہیں دے دی ہے۔

ہے امی ایک۔ آپ کو ملواؤں گا اس سے۔

گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

تم نے ڈرائیونگ کب سیکھی ہے؟ رابعہ ایک بار پھر حیران ہوئی تھیں۔

میں نے تو پتا نہیں کیا کیا سیکھ لیا ہے؟ آپ کو کیا پتا؟ اس کا لہجہ بیحد عجیب تھا۔

پھر پورا راستہ وہ خاموش رہا تھا۔ رابعہ کے ذہن میں بھائی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ معیز کی یہ تذلیل انہیں اس وقت بیپناہ تکلیف پہنچا رہی تھی۔ وہ بار بار اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کی لئے نظر دوڑاتی رہیں۔ مگر وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جس گھر مین وہ انہیں لے کر آیا تھا، اسے دیکھ کر رابعہ کو ہول اٹھنے لگے تھے۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اس نے نیچے اتر کر رابعہ کی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ رابعہ نے نیچے اترے بغیر اس سے پوچھا۔

یہ کس کا گھر ہے؟

وہ بڑی پھیکی سی ہنسی ہنسا تھا۔ گھبرائیں مت امی میرا نہیں ہے۔ آپ پہلے نیچے تو اتریں، پھر آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔

اس نے ملازم کو چابی دیتے ہوئے رابعہ سے کہا تھا جو اس عرصے میں گاڑی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ملازم نے ڈکی سے سامان اتارنا شروع کر دیا۔

آئیں امی وہ یہ کہہ کر اندر کی طوف بڑھ گیا تھا۔ رابعہ نے کچھ پریشانی کے عالم میں اس کی پیروی کی تھی۔

یہ چاروں اطراف سے وسیع لان میں گھرا ہوا ایک چھوٹا لیکن خوبصورت بنگلہ تھا۔ وہ انہیں لے کر سیدھا اوپر کی منزل پر گیا تھا اور سیڑھیاں چڑھ کر کوریڈور میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ایک چھوٹا مگر ویل فرنشڈ روم رابعہ کی نظروں کے سامنے تھا۔

معیز یہ کس کا گھر ہے۔ دیکھو مجھے سچ بتانا جھوٹ مت بولنا۔

رابعہ نے کمرے کے اندر جانے کی بجائے اس سے پوچھا تھا۔

امی یہ میرے دوست کا گھر ہے۔ میں یہاں عارضی طور پر رہتا ہوں۔ اس نے کچھ لاپروائی سے کہا تھا۔

ایسا کون سا دوست بن گیا ہے تمہارا جس نے تمہیں رہنے کے لیے یہ گھر دے دیا ہے۔ گاڑی دے دی ہے۔ آخر مجھے بھی تو پتا چلے۔ رابعہ کو اس کی بات پر اعتبار نہیں آیا تھا۔

امی کیا آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ اس نے عجیب سے لہجے میں ماں سے پوچھا۔

نہیں۔ مجھے تمہاری باتوں پر بالکل یقین نہیں آ رہا۔

رابعہ نے بالکل کھرے انداز میں کہہ دیا۔ معیز نے ایک گہری سانس لی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

امی وہ ابھی کچھ دیر بعد یہاں آئے گا پھر آپ کو میری باتوں کا یقین آ جائے گا۔

میں ولید کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور بہت عرصے سے کر رہا ہوں اس کے پاس میں نے کام سیکھا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا جب میں اسکول میں تھا تو اکثر ولید کا ذکر کرتا تھا۔ یہ وہی ہے۔

اس بار اس نے تفصیلا رابعہ کو بتایا تھا۔ رابعہ ابھی بھی مطمئن نہیں ہوئی تھیں البتہ انہیں یاد آ گیا تھا کہ اس کا ولید نامی ایک دوست ضرور اسکول میں تھا۔

تقریبا دو گھنٹے بعد ولید آیا تھا۔ وہ آتے ہی ان سے اس طرح ملا تھا جیسے پہلی بار نہیں بلکہ اکثر ان سے ملتا رہتا ہو۔ شام کا کھانا بھی اس نے وہیں کھایا تھا اور جب واپس گیا تو رابعہ کافی مطمئن ہو چکی تھیں۔ وہ نہ صرف چہرے سے بلکہ باتوں سے بھی سلجھا ہوا لگتا تھا۔ جاتے ہوئے

اس نے معیز سے کہا تھا کہ وہ رابعہ کو لے کر اس کے گھر آئے تا کہ وہ اس کی امی سے مل سکیں۔

معیز نے ہامی بھر لی تھی۔

چند دن بعد جب رابعہ ولید کی امی سے ملی تھیں ان کے باقی ماندہ خدشات بھی ہوا ہو گئے۔ وہ بھی اسی گرم جوشی سے ملیں جیسے ولید ملا تھا۔ معیز کے رویے سے لگ رہا تھا جیسے وہاں اس کا بہت آنا جانا ہو کیونکہ وہ بڑی بےتکلفی سے وہاں چل پھر رہا تھا۔

رابعہ اب بالکل مطمئن ہو چکی تھیں۔

معیز اور ولید کی دوستی فورتھ کلاس میں ہوئی تھی۔ دونوں میں بظاہر کچھ بھی مشترک نہیں تھا۔ ولید کلاس کا سب سے قابل اسٹوڈنٹ تھا اور معیز اوسط درجے کا تھا لیکن جو چیز انہیں پاس لے آئی تھی، وہ اسپورٹس کا شوق تھا۔ اسپورٹس کے بارے میں معیز کی معلومات زبردست تھیں اور دوسری چیز جس نے ولید کو معیز کا گرویدہ بنایا تھا، وہ معیز کی انگلش تھی۔ وہ مسقط میں امریکن اسکول میں پڑھتا رہا تھا، اسی لیے وہ بڑی خوبصورت اور رواں انگلش اور عربی بولتا تھا۔ معیز کی طرف دوستی کا ہاتھ ولید نے بڑھایا تھا پھر ولید کے ساتھ رہنے سے یہ ہوا کہ معیز کی پڑھائی میں دلچسپی بڑھتی گئی۔ ناصر کی وفات کے بعد جب اس کے حالات بدلنا شروع ہوئے تو اس میں تبدیلیاں آنے لگیں اور اس نے ولید سے بھی الگ ہونے کی کوشش کی کیونکہ اب وہ خود کو ولید کے مقابلے میں کمتر محسوس کرتا تھا۔ ولید کو شروع میں اس کے رویے کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی لیکن پھر اس نے ایک دن اسے پکڑ کر زبردستی اس سے پوچھنا شروع کر دیا اور اس کے پوچھنے پر معیز یک دم رونے لگا تھا۔ پھر اس نے ولید کو آہستہ آہستہ سب کچھ بتا دیا۔

ولید عمر میں اس سے ایک دو سال بڑا تھا اور بہت سمجھدار بھی اس نے معیز کو جتائے بغیر اس طرح اپنی سرگرمیوں میں انوالو کرنا شروع کر دیا جس طرح وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ ان کی دوستی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور اس میں بڑا ہاتھ ولید کا تھا۔ پھر جب معیز آٹھویں کلاس میں پہنچا تو اس نے ولید سے کہا کہ وہ اپنے باپ سے بات کرے کہ وہ اس کو اپنی فیکٹری میں آ کر کام سیکھنے دیں۔

ولید کے ڈیڈی نے پہلے تو بالکل انکار کر دیا اور انہوں نے معیز سے کہا کہ اسے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ان کو بتائے وہ اسے دے دیں گے کیونکہ وہ اسے بھی ولید کی طرح ہی سمجھتے ہیں مگر بعد میں ولید کے اصرار پر وہ معیز کو کام سکھانے پر تیار ہو گئے۔ کیونکہ ولید جانتا تھا کہ معیز مفت میں کچھ بھی لینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ ولید کے ڈیڈی نے بادل نخواستہ اسے فیکٹری آنے کی اجازت دے دی تھی لیکن معیز نے جس رفتار اور شوق سے کام سیکھنا شروع کیا تھا اس نے انہیں حیران کر دیا تھا۔

اسے سیکھنے کا شوق ہی نہیں تھا بلکہ جنون تھا اور پھر وہ محنت سے بھی گھبراتا نہیں تھا۔ شروع میں ولید کے ڈیڈی اسے دو گھنٹے سے زیادہ وہاں رکنے نہیں دیتے تھے مگر آہستہ آہستہ وہ چار پانچ گھنٹے وہاں گزارنے لگا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ولید کے ڈیڈی کو اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی، وہ پہلے پہل لیدر کی جیکٹس کسی دوسری فیکٹری سے تیار کرواتے تھے اور پھر اپنی

پیکنگ اور اپنی کمپنی کے ٹیگ کے ساتھ اسے ایکسپورٹ کر دیتے تھے مگر بعد میں انہوں نے خود ہی جیکٹس تیار کروانا شروع کر دیں۔

شروع میں انہوں نے ایک ڈیزائنر رکھا تھا۔ معیز نے ان ہی دنوں فیکٹری میں آنا شروع کیا تھا۔ تیرہ سالہ کا وہ لڑکا سولہ تک پہنچتے پہنچتے نہ صرف جیکٹ کی کٹنگ سیونگ بلکہ ڈیزائننگ میں بھی ماہر ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ اس نے ان کی فیکٹری کے لئے جیکٹس ڈیزائن کرنا شروع کر دیں۔

ان دنوں راشد صاحب نے ولید کو ہائر سکنڈری اسکول کے بعد مزید تعلیم کے لیے باہر بھجوایا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے اس کمپنی کو ٹریننگ کے لیے اس کا نام بھجوایا تھا جس کے ساتھ مل کر انہوں نے venturejoint کیا تھا، وہ تقریباً ایک سال کو ریارہ کر آیا تھا اور واپس آنے کے بعد اس نے ڈیزائننگ کے شعبے کا پورا کام اپنے سر لے لیا تھا۔ ان ہی دنوں ولید کے ڈیڈی نے اپنے بھائی سے کاروبار الگ کرنا

شروع کیا تھا اور یہ معاملہ ایک بہت بڑے تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

ان دنوں معیز ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ فیکٹری کے معاملات سنبھالا کرتا اور راشد صاحب اپنے مقدمے کے سلسلے میں کورٹس کے معاملات سے نبٹا کرتے۔ پھر اچانک ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا یہ معیز اور ولید کے لیے ایک بڑا صدمہ تھا۔

ولید اپنی تعلیم چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ اس کے چچا نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور مختلف حربے استعمال کر کے مقدمہ جیت گئے تھے فیکٹری کے حصے ہو گئے تھے اور وہ بڑی فیکٹری ایک چھوٹی فیکٹری کی شکل میں ولید کے حصے میں آئی تھی۔ جس فرم کے نام سے وہ ساری ایکسپورٹ کرتے تھے، وہ ولید کے چچا کو مل گئی تھی۔ ولید ان معاملات میں ناتجربہ کار تھا۔ وہ کسی اور جھگڑے میں انوالو نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اسی چھوٹی سی فیکٹری پر صبر کر لیا تھا۔

باپ کے چہلم کے بعد اس نے معیز سے کہا تھا کہ وہ امتحانات دینے واپس امریکہ جانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں معیز فیکٹری کا انتظام سنبھال لے۔ معیز نے فیکٹری کا انتظام سنبھالنے کی ہامی بھر لی تھی اور ولید پاور آف اٹارنی اسے دے کر امریکہ چلا گیا تھا۔

فیکٹری کا انتظام سنبھالتے ہی مشکلات کا ایک پہاڑ تھا جو معیز کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ باری باری فیکٹری میں کام کرنے والے بہترین کاریگر کام چھوڑ کر ولید کے چچا کی فیکٹری میں چلے گئے تھے کیونکہ انہوں نے ان لوگوں کو بہتر تنخواہ کی آفر کی تھی۔ جو پارٹیز پہلے ان کو آرڈر دیا کرتی تھیں، وہ اب ولید کے چچا کی فیکٹری کو آرڈر دیتی تھیں کیونکہ فرم کا نام وہی استعمال کرتے تھے۔

فیکٹری کے اکاؤنٹس میں اتنا روپیہ نہیں تھا کہ معیز کوئی بڑا آرڈر لیتا۔ وہ ویسے بھی کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ فیکٹری اس کی اپنی نہیں تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا

کہ کوئی خطرہ مول لے کر وہ فیکٹری کو مزید دشواری میں ڈال دے۔ ولید تقریباً چھ ماہ باہر رہا تھا اور ان چھ ماہ میں معیز اسے سب اچھا ہے کی رپورٹیں دیتا رہا تھا کیونکہ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فیکٹری کے اکاؤنٹ سے ولید کو اس کے اخراجات لے لیئے اور اس کی فیملی کو ماہانہ خرچ کے لیے روپے بھجواتا رہا۔ ان چھ ماہ اس نے کچھ لوکل اور کچھ چھوٹے باہر کے آرڈرز پورے کئے تھے۔ مگر ان کی تعداد کم تھی۔ چھ ماہ بعد ولید امتحانات سے فارغ ہو کر واپس آ گیا تھا۔

معیز نے اس کی واپسی پر فیکٹری کی پوری صورت حال اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ ولید کو شاک لگا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فیکٹری کے حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں مگر وہ بہت جلد اس شاک سے باہر آ گیا تھا اور ایک بار پھر اس نے اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے معیز کی مدد مانگی تھی اور معیز نے ہر چیز کو پلان کرنا شروع کر دیا تھا ان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ ان کے بہترین کاریگر انہیں چھوڑ گئے تھے اور اچھے کاریگر ملنا آسان نہیں تھا، معیز نے ولید کو مجبور کیا کہ وہ خود ان کاریگروں کے گھر جا کر انہیں زیادہ تنخواہ کی آفر دے کر واپس آنے پر مجبور کرے۔

ولید اس معاملے میں بہت جزباتی ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے نمک حرامی کی ہے اور مشکل وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کے گئے ہیں پھر اب وہ انہیں کیوں واپس لائے لیکن معیز نے بہت تحمل سے دلائل کے ساتھ اسے سمجھایا تھا کہ کاریگروں کو اس کی ضرورت نہیں، اسے کاریگروں کی ضرورت ہے اور انہوں نے نمک حرامی نہیں کی۔ وہ بھی انسان تھے مجبوریوں اور ضرورتوں سے بندھے۔ ولید کے والد کے انتقال کے بعد فیکٹری کا انتظام ڈانواں ڈول تھا اور کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ فیکٹری کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے ایسی صورت حال میں جب انہیں ولید کے چچا کی طرف سے اچھی آفر ہوئی تو انہوں نے قبول کر لی۔

ولید اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ دونوں ان پرانے کاریگروں کے گھر گئے جو دس پندرہ سال سے ولید کے باپ کے پاس کام کرتے رہے تھے اور انہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا زیادہ تر کاریگر واپس آ گئے تھے۔

سب سے بڑا مسئلہ اب ان کے سامنے روپے فراہمی کا تھا۔ فیکٹری کے اکاؤنٹس میں زیادہ روپے نہیں تھے۔

اس مسئلے کو ولید نے حل کیا تھا اس نے فیکٹری اور گھر پر بینک سے لون لے لیا تھا، پھر دونوں کام میں جت گئے تھے۔ انہوں نے ایک نئی فرم لانچ کی اور ان ساری پارٹیز کو لیٹرز لکھے تھے جن کے ساتھ وہ پہلے بزنس کرتے تھے لیکن کسی طرف سے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا، پھر ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ ولید کچھ سیمپل بنوا کر اپنے ساتھ یورپ اور امریکہ لے کر جائے گا اور آرڈر حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جیکٹس کے یہ سیمپل معیز نے خود ڈیزائن کئے تھے اور یہ اس کی پہلی مکمل ڈیزائنگ کا تجربہ تھا۔

ولیدان سیمپلز کو لے کر باہر چلا گیا اور اس بار انہیں مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پہلی ہی پارٹی سے انہیں دس ہزار جیکٹس کا آرڈر مل گیا تھا اور یہ ان کے لئے ایک بہت بڑا آرڈر تھا۔ دونوں نے جی توڑ کر محنت سے یہ آرڈر پورا کیا تھا۔

ولید کو مال کے بارے میں زیادہ نہیں پتا تھا۔ وہ دفتری امور کو سرانجام دیتا رہا اور معیز نے ان جیکٹس کے لئے نہ صرف لیدر کی خریداری خود کی بلکہ تیاری کے ہر مرحلے میں خود انوالو رہا۔ اس نے ایک ایک جیکٹ کو خود ذاتی طور پر چیک کیا تھا۔ اس کے بعد ان کی پیکنگ کروائی تھی وہ لوگ کاریگروں سے اوور ٹائم کرواتے رہے اور مقررہ وقت سے پہلے ہی انہوں نے آرڈر پورا کر دیا تھا۔

جیکٹس کی کوالٹی اور ڈیزائننگ اتنی پسند کی گئی تھی کہ فوراً ہی اسی فرم کی طرف سے انہیں ایک بڑا آرڈر مل گیا۔ پھر تو آرڈرز کی ایک لمبی لائن لگ گئی تھی اور بعض آرڈرز تو اتنے بڑے ہوتے کہ وہ انہیں پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ انہیں انکار کر دیتے۔ آہستہ آہستہ ان کے پاس کاریگروں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ پہلے ان کے پاس پچیس تیس کاریگر ہوتے تھے۔ پھر یہ تعداد دو سو کے قریب پہنچ گئی۔ وقتی طور پر ہائر کرنے والے کاریگروں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ انہوں نے فیکٹری کی عمارت میں بھی توسیع کی تھی اور آج کل انہوں نے کچھ نئی مشینری منگوائی ہوئی تھی جس کی تنصیب وہ اس نئے حصے میں کروا رہے تھے۔

معیز کا اگرچہ فیکٹری میں کوئی شیئر نہیں تھا اور نہ ہی اس کی ایسی کوئی خواہش تھی لیکن وہ اب پروڈکشن منیجر کے طور پر کام کر رہا تھا اور ڈیزائننگ کے شعبے کا انچارج بھی وہی تھا۔ اس کو تقریباً تیس ہزار کے قریب تنخواہ ملتی تھی اور دوسری بہت سی سہولیات بھی مگر پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ اب اپنی الگ فیکٹری لگانا چاہتا تھا اور اسی لئے وہ اپنی تنخواہ کا بڑا حصہ بینک میں جمع کرواتا جا رہا تھا۔ پھر ان ہی دنوں اس نے ایک کرائے کے گھر میں شفٹ ہونے کی کوشش کی تھی مگر ولید نے اس سے کہا کہ وہ کرائے پر گھر لینے کے بجائے اس کے اس گھر میں شفٹ ہو جائے جہاں وہ باہر سے کاروبار کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کو ٹھہراتا تھا۔

معیز نے بہت پس و پیش کی تھی لیکن ولید نے اس کی ایک نہ سنی، اس کا کہنا تھا کہ وہ گھر زیادہ تر خالی ہی رہتا ہے اور دو منزلہ ہونے کی وجہ سے معیز اس کی کسی بھی منزل پر اپنی امی کے ساتھ رہ سکتا ہے اور بقیہ حصے میں کوئی بھی آنے والا مہمان ٹھہر سکتا ہے۔ رابعہ نے تب اپنی ماں کی وجہ سے معیز کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا اور معیز اکیلا ہی وہاں شفٹ ہو گیا تھا اور اب جب اس کی امی آنے پر تیار ہو گئی تھیں تو وہ انہیں بھی وہیں لے آیا تھا۔

رابعہ کو یہاں آتے ہی وہ بدلا ہوا لگا تھا اب وہ پہلے کی طرح سنجیدہ اور خاموش نہیں رہتا تھا بلکہ جب بھی گھر آتا تو زیادہ سے زیادہ وقت رابعہ کے پاس گزارنے کی کوشش کرتا انہیں اپنی باتیں بتاتا۔ اپنی مصروفیت کے بارے میں بتاتا ان سے مختلف قسم کے کھانوں کی فرمائش کرتا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر ہنس پڑتا، پتا نہیں وہ اپنی کون کون سی خواہش کو دبائے بیٹھا تھا۔

رابعہ کو اب احساس ہو رہا تھا کہ اکلوتی اولاد کتنی تنہائی کا شکار ہوتی ہے اور وہ بھی جو معیز جیسے

حالات سے دوچار رہی ہو۔

پھر چند ہفتوں کے بعد وہ اپنی امی سے ملنے گئی تھیں۔ وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں جب سعدیہ کی امی ان کے پاس آئی تھیں اور انہیں سعدیہ کی شادی کا کارڈ دیا تھا۔

انہوں نے بجھے دل سے وہ کارڈ لیا تھا اور وہاں سے آ گئی تھیں۔ معیز نے سعدیہ کی شادی کا کارڈ دیکھنے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ بالکل نارمل تھا۔

اس دن چھوٹے ماموں اور ان کی فیملی ایک شادی میں انوائیٹڈ تھے۔ معیز بھی ولید کے ساتھ اس شادی میں گیا ہوا تھا۔ دولہا ولید کا کاروباری دوست تھا اور اس حوالے سے معیز سے بھی اس کی اچھی جان پہچان تھی اور اس نے معیز کو بھی شادی میں انوایٹ کیا تھا۔ چھوٹے ماموں معیز کو وہاں دیکھ کر کچھ حیران ہوئے تھے مکس گیدرنگ تھی اس لئے نہ صرف انہوں نے بلکہ ان کے بیوی بچوں نے بھی معیز کو دیکھا تھا۔

جس چیز نے انہیں زیادہ حیران کیا تھا وہ اس کا حلیہ تھا، وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ریڈ پرنٹڈ ٹائی لگائے کہیں سے بھی کوئی معمولی ورکر نہیں لگ رہا تھا۔ معیز نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا لیکن وہ ان کی طرف نہیں آیا۔ چھوٹے ماموں پوری طرح متجسس ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے دوست سے معیز کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے ان سے کہا تھا کہ معیز کو اس کے بیٹے نے انوایٹ کیا ہے۔ اسے معیز کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں جب چھوٹے ماموں نے زیادہ ہی تجسس کا اظہار کیا تو وہ اپنے بیٹے کے پاس گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر اس نے انہیں معیز کے بارے میں معلومات دی تھیں۔

وہ جس فرم میں پروڈکشن منیجر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس فرم نے پچھلے سالوں سے چیمبر آف کامرس میں اپنے بڑے بڑے ایکسپورٹ آڈرز کی وجہ سے خاصی دھوم مچائی ہوئی تھی۔ چھوٹے ماموں خود بھی لیدر کی ایکسپورٹ کا کام کرتے تھے۔ انہیں اب یاد آیا تھا کہ چیمبر آف کامرس میں جب بھی اس فرم کا ذکر ہوتا تو اس کے پروڈکشن منیجر معیز ناصر کا ذکر بھی ہوتا جسے کئی دوسری فیکٹریز بھاری تنخواہ پر اپنے لئے کام کرنے کی آفرز کر رہی تھیں مگر تب چھوٹے ماموں کو قطعاً خیال نہیں آیا تھا کہ معیز ناصر ان کا اپنا بھانجا بھی ہو سکتا ہے۔

ان کے دوست نے ان کی کیفیت سے بےخبر انہیں معیز کے بارے میں معلومات فراہم کر دی تھیں اور اب چھوٹے ماموں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے اور کچھ یہی حال ان کے بیوی بچوں کا تھا، ان کو یاد آیا تھا چند ہفتے پہلے کس طرح انہوں نے کھڑے کھڑے اپنے گھر میں اس کی بےعزتی کی تھی اور انہوں نے یا ان کے بھائی نے یہ بھی جاننے کی کوشش کی تھی کہ وہ دونوں کہاں گئے ہیں۔ کھانا کھانے کے دوران وہ سب گاہے بگاہے دور کھڑے ہوئے معیز کو دیکھتے رہے جو کچھ لوگوں کے ساتھ کسی گفتگو مین مصروف کھانا کھا رہا تھا۔

واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ان کی بیوی مسلسل رابعہ اور معیز پر تنقید کرتی رہی تھی مگر وہ خاموش رہے تھے۔ اگلے دن تینوں گھروں میں معیز کے بارے میں معلومات اور خبریں گردش کرتی رہی تھیں اور ہر شخص بھونچکا تھا۔

ایک ہفتے بعد رابعہ ایک بار پھر ماں سے ملنے آئی تھیں اور وہ اس بار اپنے استقبال سے حیران ہو گئی تھی۔ وہ بھابیاں جنہوں نے پچھلی دفعہ بمشکل ان کے سلام کا جواب دیا تھا اس بار ہنس ہنس کر ان کا احوال دریافت کر رہی تھیں۔ پھر جب وہ اپنی ماں کے پاس آ کر بیٹھیں تو ان کی بھابیاں باری باری وہاں آ گئی تھیں اور پھر بڑی بھابی اصل بات زبان پر لے ہی آئی تھیں۔ انہوں نے شکوہ کیا بھلا کہ رابعہ اور معیز نے انہیں غیر سمجھا جو انہیں اس کی ترقی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

رابعہ خود بھی حیران تھیں کیونکہ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ معیز ولید کے ساتھ کام کرتا ہے مگر کس عہدے پر کام کرتا ہے اس سے وہ بےخبر تھیں پھر بھی انہوں نے اپنی بھابیوں سے معذرت کر لی تھی۔

چند دن پہلے جب وہ گھر چھوڑ کر آئی تھیں تو کسی نے جانے سے پہلے ان کے ایڈریس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور اس دن انہوں نے اصرار کر کے ان کا ایڈریس لیا تھا پھر کچھ دن بعد ہی ان کے بڑے بھائی اور بھابی ان سے ملنے آ موجود ہوئے تھے۔ گھر کو دیکھ کر وہ خاصے مرعوب ہوئے تھے حالانکہ رابعہ نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ گھر ان کا نہیں ہے۔ معیز کی واپسی سے پہلے وہ چلے گئے تھے پھر تو جیسے آمد و رفت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ گاہے بگاہے ان کا کوئی نہ کوئی بہن بھائی ان سے ملنے آتا رہتا اور انہیں اپنے گھر مدعو کر جاتا۔

معیز بڑی خوش دلی اور خوش اخلاقی سے ہر ایک سے ملتا تھا حتی کہ چھوٹے ماموں سے بھی جنہوں نے رابعہ سے اپنے رویئے کی معذرت کر لی تھی معیز ان سے اس طرح پیش آیا تھا جیسے ان سے کبھی اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہو۔

سعدیہ کی شادی پر چھوٹے ماموں زبردستی رابعہ کو شادی سے چند دن پہلے اپنے گھر لے آئے تھے۔ معیز شادی پر نہیں آیا تھا۔ اسے کسی کام سے کراچی جانا تھا۔ شادی کی ایک ایک رسم رابعہ کو خود پر بھاری لگی۔ سعدیہ دلہن بن کر اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ انہوں نے اسے دوبارہ نظر بھر کر نہیں دیکھا کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔ لیکن انہیں بار بار معیز کا خیال آ رہا تھا وہ تصور میں اس کے شوہر کے بجائے معیز کو اس کے ساتھ بیٹھے دیکھنے لگتیں۔

انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان کی سب سے قیمتی چیز چھین کر لے جا رہا تھا۔ سعدیہ کی شادی نے انہیں بہت نڈھال کر دیا تھا جس دن وہ واپس آئی تھیں۔ معیز انہیں گھر پر ہی ملا تھا اور اس نے رسمی سے انداز میں شادی کے بارے میں پوچھا تھا۔ رابعہ کے تاثرات سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ابھی بھی ناخوش ہیں۔ اس نے ایک بار پھر ماں کو دلاسا اور تسلی تھی۔

ولید میں اپنی الگ فیکٹری کھولنا چاہتا ہوں اور کچھ دوسری فرمز کی طرف سے مجھے جیکٹس کی ڈیزائینگ کے لئے آفرز ہیں۔ میں ان کے لیے بھی کام کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے فیکٹری کے لیے ابھی بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں اصولی طور پر تمہارا ملازم ہوں اور مجھے کسی اور کے لیے کام کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس لئے میں ریزائین کرنا چاہتا ہوں۔

اس دن وہ ولید کے آفس میں بیٹھا اسے شاک پر شاک دے رہا تھا۔

معیز تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں ہو سہولت پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تمہیں کبھی ملازم نہیں سمجھا، یہ فرم جتنی میری ہے۔ اس سے زیادہ وہ تمہاری ہے پھر تم یہ جاب کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟ ولید اس کی باتوں پر بھوچکا رہ گیا تھا۔

ولید مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے میں یہ مانتا ہوں کہ مجھے ہر قسم کی سہولت دی گئی ہے لیکن پھر بھی میری حیثیت اس فیکٹری میں ایک ملازم کی ہے۔ مجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ جاب تو صرف ایک آ غاز تھا۔

ولید نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ تم اگر چاہو گے تو میں تمہارے لئے بھی کام کروں گا لیکن میں اپنی الگ فیکٹری بھی قا ئم کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری خواہشات اور عزائم سے واقف ہو اور میری خواہشات میں صرف ایک باب شامل نہیں ہے، مجھے زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔ اس لئے بہت غیر جانبدار ہو کر میرے فیصلے کے بارے میں سوچو۔

تم فیکٹری لگانا چاہتے ہو۔ لیکن اس کے لیے تمہیں سرمایہ کہاں سے ملے گا؟

ولید نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے سوال کیا۔

کچھ غیر ملکی کمپنیز جن کے ساتھ میں کافی عرصے سے بات چیت کرتا آ رہا ہوں۔ ان ہی میں سے ایک کمپنی یہاں جوائنٹ وینچر کرنا چاہتی ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ وہ میری ساتھ یہ پروجیکٹ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ کچھ روپیہ میرے پاس ہے اور کچھ میں دوسری فرمز کے لئے کام کر کے اکٹھا کر لوں گا لیکن ابھی یہ صرف منصوبے ہیں کوئی چیز بھی فائنل نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے، میں اسی سال اپنی فیکٹری شروع کر دوں ہو سکتا ہے اس میں کچھ سال لگ جائیں۔

تم میرے ساتھ مل کر یہ فیکٹری کیوں نہیں لگا لیتے۔ ولید نے اچانک اسے ایک آفر دی تھی۔

تمہارے ساتھ؟ وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

ہاں میرے ساتھ۔ تم اپنی فیکٹری میں میرے شیئرز رکھو ساٹھ پرسنٹ تمہارے اور چالیس پرسنٹ میرے اس کے بدلے میں تمہاری فیکٹری کے لیے سرمایہ فراہم کروں گا۔ لیکن اس فیکٹری کے انتظامات میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔

اس کے ورکنگ پارٹنر تم ہو گے۔

معیز اس پیش کش پر حیران تھا۔ اور سرمایہ ڈوب گیا تو؟ اس نے ولید سے کہا تھا۔

تب وہ میری ذمہ داری ہوگی۔ میں تمہیں اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہراؤں گا۔ اس نے جیسے بات ختم کر دی تھی۔

تم فیکٹری کے لئے سائٹ تلاش کرو۔

معیز نے اس کی آفر قبول کر لی تھی۔ چند ہفتوں میں اس نے فیکٹری کے لیے سائٹ

تلاش کی اور تعمیر شروع کروادی۔ قسمت کا ہر در اس پر جیسے کھلتا ہی جا رہا تھا۔ وہ جس کمپنی کے ساتھ جوائنٹ وینچر کرنا چاہتا تھا انہوں نے اس کے ساتھ ڈیل سائن کر لی اب اگر وہ چاہتا تو ولید کے سرمائے کے بغیر بھی فیکٹری تعمیر کر سکتا تھا لیکن اس نے ولید کے ساتھ پارٹنر شپ ختم کر نہیں کی تھی۔ فیکٹری کے لیے عمارت اس نے تعمیر کروائی تھی اور روپیہ اور مشینری ولید اور اس کمپنی نے فراہم کیا تھا۔ ڈیڑھ سال میں یہ پروجیکٹ مکمل ہوا تھا اور پھر جیسے روپے کی ایک ریٹ ریس جس میں وہ شریک ہو گیا تھا۔

پہلے اسے روپیہ کمانے کے لیے محنت کرنی پڑتی تھی اب روپیہ جیسے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ پہلے اس نے لیدر گڈز ایکسپورٹ کرنی شروع کی تھیں پھر گڈز کی رینج میں اضافہ ہوتا گیا۔ لیدر سے وہ سپورٹس گڈز کی طرف آیا اور پھر کارپٹ انڈسٹری کی طرف۔ اس کے ہاتھ جیسے کوئی پارس آ گیا تھا۔ سات سال اسی طرح گزر گئے اور ان سات سالوں میں وہ ظاہری طور پر بالکل بدل گیا تھا۔ جو لوگ پہلے ان سے کتراتے تھے اب ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ باطنی طور پر معیز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

وہ پہلے سے زیادہ خوش اخلاق اور نرم مزاج ہو گیا تھا۔ یہی حال رابعہ کا تھا۔

معیز کے چھوٹے ماموں نے رابعہ سے کہا تھا کہ وہ معیز کے لیے اپنی چھوٹی بیٹی کا رشتہ دینا چاہتے ہیں اور یہ پہلا موقع تھا جب رابعہ نے انہیں کسی بات پر انکار کیا تھا۔

سجاد بھائی اب مجھے معیز کی شادی آپ کے گھر نہیں کرنی۔ سعدیہ سے رشتہ آپ نے توڑ ڈالا تھا۔ اب پھر آپ کی چھوٹی بیٹی سے رشتہ کروں اور کل کو میرے بیٹے پر کوئی برا وقت آجائے تو آپ پھر رشتہ توڑ دیں گے۔ نہیں آپ مجھے معاف کر دیجئے گا لیکن میں یہ رشتہ نہیں کروں گی۔

سجاد بھائی کو ان کا جواب طمانچے کی طرح لگا تھا لیکن وہ جواب میں کچھ بول نہیں پائے اور وہ خاندان میں واحد نہیں تھے جو اپنی بیٹی کے لیے معیز کا رشتہ چاہتے تھے۔ لیکن معیز خاندان میں شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور رابعہ کا اصرار بھی خاندان میں شادی پر آمادہ نہیں کر سکا تھا۔

وہ موڑ کاٹ رہی تھی جب اس نے ایک بوڑھی عورت کو ایک گاڑی سے ٹکراتے اور دور گرتے دیکھا۔ وہ گاڑی رکنے کے بجائے ایک طوفانی رفتار سے نکل گئی تھی۔ اسے عورت کی فکر لاحق ہو گئی اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے وہ اس جگہ آئی، جہاں وہ عورت گری تھی۔ تیزی سے وہ اس عورت کے پاس آئی اور سیدھا کیا۔ وہ عورت کراہ رہی تھی اور اس کس سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا اور پھر ایک آتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ دے کر روکا اور اسے ڈرائیو کرنے والے آدمی کے ساتھ مل کر بوڑھی عورت کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں لٹا دیا۔ عورت نیم غشی کے عالم میں تھی، پھر وہ سیدھی اسے ایک پرائیوٹ کلینک لے آئی نرس اور وارڈ بوائے نے جب اس عورت کو اسٹریچر پر منتقل کیا تھا تو وہ تب بھی کراہ رہی تھی۔

اس نیاس عورت کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی چیک اپ کے بعد ڈاکٹرز نے

اسے بتایا تھا کہ اس عورت کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور اس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔

آپریشن کے لیے انہوں نے جتنی رقم مانگی تھی وہ اس کے پاس نہیں تھی۔ اس نے کاؤنٹر پر ریسپشنسٹ کو کہا کہ وہ یہ رقم گھر سے لے آتی ہے تب تک وہ گارنٹی کے طور پر اس کا لاکٹ اور ایئر رنگز رکھ لیں اور اس عورت کا آپریشن کر دیں تاکہ وہ اس طرح تکلیف سے تڑپتی نہ رہے۔

ریسپشنسٹ نے ڈاکٹر سے بات کی اور پھر اس نے اس کا لاکٹ اور ایئر رنگز رکھ لیے۔ وہ گھر آئی اور وہاں سے چیک بک لے کر بنک گئی۔ جب وہ واپس ہاسپٹل پہنچی تو اسے پتا چلا کہ وہ عورت ہوش میں آ گئی تھی اور اس کا بیٹا اسے وہاں سے لے گیا تھا اور اس کا بل بھی ادا کر دیا تھا ریسپشنسٹ نے اسے ایک کارڈ دیا تھا جو اس عورت کا بیٹا اس کے لیے دے گیا تھا تاکہ وہ اس سے رابطہ کرے۔

اس نے کارڈ نہیں لیا تھا، اسے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے یہ جان کر ہی تسلی ہو گئی تھی کہ وہ عورت محفوظ تھی اور وہ اپنے خاندان کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ ریسپشنسٹ سے اپنی چیزیں لے کر واپس آ گئی۔

معیز کو رابعہ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع آفس میں ملی تھی اور وہ اندھا دھند اس کلینک کی طرف دوڑ پڑا، ماں کو ہوش میں دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی وہ اپنی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر بڑھاپے کی چوٹ کی تکلیف پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ ماں کو دیکھنے کے بعد وہ بل ادا کرنے کے لئے کاؤنٹر پر گیا تھا۔ بل ادا کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا کہ رابعہ کو وہاں کون لایا تھا۔

عائشہ حسن نامی ایک لڑکی تھی اس نے بتایا تھا کہ کوئی گاڑی انہیں ٹکر مار کر چلی گئی تھی اور وہ انہیں اٹھا کر یہاں لے آئی تھی۔ بل کے لیے اس نے ہمیں کچھ روپے دیئے تھے لیکن اس کے پاس زیادہ روپے نہیں تھے، اس لئے اس نے اپنی کچھ جیولری

ہمیں دے دی تھی کہ ہم رکھ لیں اور آپریشن کر دیں کیونکہ آپ کی والدہ کو فوری آپریشن کی ضرورت تھی۔

ریسپشنسٹ نے بل بناتے ہوئے وہ جیولری نکال کر اس کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی۔ وہ ایک عجیب سی کیفیت میں وہاں کھڑا رہ گیا۔ پتا نہیں وہ کون تھی جس نے اپنے جسم پر سجایا ہوا زیور اس کی ماں کی جان بچانے کے لیے دے دیا تھا۔ اگر وہ لڑکی اس وقت اس کے سامنے ہوتی تو شاید وہ اس کے قدموں پر گر جاتا۔ اس وقت اس کی کچھ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔ معیز نے اس کے لاکٹ کو ہاتھ میں لے کر دیکھا، ایک خوبصورت تختی پر اللہ کا نام بڑے خوبصورت انداز میں منقش تھا۔ معیز نے دوبارہ اسے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ بل ادا کرتے ہوئے اس نے نرس کو اپنا کارڈ دیا۔

دیکھیں، یہ جب وہ واپس آئیں تو انہیں ان کے روپے اور جیولری واپس کر دیں اور انہیں یہ کارڈ دے کر کہیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے جلدی ہے کیونکہ میں اپنی امی کو کسی اچھے ہاسپٹل مین شفٹ کرنا چاہتا ہوں ورنہ میں یہیں رک کر ان کا انتظار کرتا۔

اس نے ریسپشنسٹ سے کہا اور اپنی امی کو لے کر ایک بڑے کلینک پر آ گیا۔ ایک دفعہ پھر رابعہ کے ٹیسٹ ہوئے اور دو گھنٹے کے چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ رابعہ کا آپریشن ٹھیک کیا گیا تھا اور اب اسے کسی انتہائی نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے تسلی ہو گئی تھی اس سارے عرصے کے دوران اسے بار بار اس لڑکی کا خیال آتا رہا، وہ منتظر تھا کہ وہ لڑکی کارڈ پانے کے بعد اس سے رابطہ قائم کرے کرے لیکن اس نے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اگلے دن اس نے اپنی ماں کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا۔ رابعہ کو بے اختیار وہ آواز یاد آ گئی جو ہاسپٹل لے جاتے ہوئے مسلسل اسے کچھ کہتی رہی تھی۔ وہ عام طور پر گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں مگر چھ ماہ قبل اس نئے گھر میں منتقل ہونے کے بعد وہ اکثر ماڈل ٹاؤن کے پارک میں چلی جاتی تھیں جو گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہاں وہ کافی دیر بیٹھی رہتیں۔ لوگوں کے گھومتے دیکھتیں اور تنہائی کا احساس ختم ہو جاتا۔ اس دن بھی وہ پارک میں چہل قدمی کے بعد واپس آ رہی تھیں جب اچانک سڑک پار کرتے ہوئے وہ ایک گاڑی کے سامنے آ گئیں۔ ساری غلطی نہ تو ان کی تھی نہ ہی گاڑی کے ڈرائیور کی۔ گاڑی سے ٹکرانے کے بعد وہ نیم بیہوش ہو گئی تھیں۔ ٹانگ اور سر میں اٹھتی ہوئی درد کی لہروں کے باوجود انہیں وہ لمس یاد تھا جو وقتاً فوقتاً ان کا ہاتھ تھام لیتا تھا۔

چند دنوں تک تو وہ دونوں ہی اس لڑکی کا انتظار کرتے رہے پھر رابعہ نے معیز سے کہا کہ وہ خود اس لڑکی کا پتا لگانے کی کوشش کرے معیز دوبارہ اس کلینک پر گیا تھا اور اس نے انکوائری کاؤنٹر سے اس لڑکی کا ایڈریس حاصل کرنے کی کوشش کی تھی ریسپشنسٹ نے چند منٹوں کی تلاش کے بعد عائشہ حسن کا ایڈریس اس کے سامنے کر دیا۔

بالکل جی، نام پتا تو انہوں نے لکھوایا تھا۔ اب پتا نہیں یہ صحیح ہے یا نہیں۔ ریسپشنسٹ نے کہا۔

معیز وہ پتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ اس کے ساتھ والے گھر کا ایڈریس تھا۔ گھر واپس جاتے ہوئے معیز گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر سے آگے لے گیا تھا اور پھر اس گھر کے آگے گاڑی روک کر وہ بڑے دھیان سے اس گھر کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ اس کے گھر کی نسبت بہت چھوٹا گھر تھا اور اس کے سامنے ایک مختصر سا لان بھی تھا۔ وہ گاڑی ٹرن کر کے واپس آ گیا۔

ایک ہفتے کے بعد وہ رابعہ کو لے کر گھر واپس آ گیا تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے پر اس نے رابعہ کے لیے ایک ویل چیئر منگوالی تھی تاکہ وہ ہر وقت گھر ہی نہ رہیں اور گھر میں آسانی سے پھرنے کے علاوہ باہر بھی نکل سکیں۔ ایک کل وقتی نرس بھی اس نے ان کے لیے رکھ دی۔

معیز نے رابعہ کو بتا دیا تھا کہ وہ لڑکی ان کے ساتھ والے گھر میں رہتی ہے۔ وہ بھی اس اتفاق پر حیران ہوئی تھیں۔ گھر آنے کے دوسرے ہی دن انہوں نے معیز سے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے گھر جا کر اس کا شکریہ ادا کرے اور ہو سکے تو اسے ان کے پاس لے آئے تاکہ وہ خود اس کا شکریہ ادا کر سکیں۔ معیز شام کو اس گھر کی طرف آیا تھا۔ بیل بجانے پر چودہ سالہ ایک لڑکا

باہر آیا۔ معیز کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کہے۔

میں آپ کے ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں۔ اس نے ہاتھ سے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ لڑکے کے چہرے پر یک دم مرعوبیت کے آثار نمودار ہوگئے۔

میرے ابو توفوت ہو چکے ہیں۔ آپ اندر آئیں میں آپ کو اپنی امی سے ملوادیتا ہوں۔

معیز اس کے ساتھ چلتا ہوا اندر آگیا، وہ لڑکا اسے اندرونی دروازے پر ٹھہرا کر اندر چلا گیا۔ چند منٹوں کے بعد وہ واپس آیا اور اسے اندر لے گیا۔ ایک بہت ہی ویل ڈیکوریٹڈ ڈرائنگ روم اس کے سامنے تھا۔ وہ لڑکا اسے وہاں بٹھا کر غائب ہوگیا۔ معیز طائرانہ نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتا رہا، کچھ دیر بعد وہ لڑکا ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ معیز عورت کے اندر آنے پر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

بیٹھو بیٹا بیٹھو۔ اس عورت نے نرمی سے اس سے کہا اور خود بھی سامنے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

میں آپ کے ساتھ والے گھر سے آیا ہوں۔ چند دن پہلے۔ معیز نے بات شروع کی اور آہستہ آہستہ ساری بات بتادی۔ اسے اس عورت اور لڑکے کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ بہت عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

مجھے یہ تو نہیں پتا کہ آپ کا عایشہ حسن سے کیا رشتہ ہے مگر میں ان سے مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

معیز نے اپنی بات کے اختتام پر کہا تھا۔

بیٹا وہ میری بیٹی ہے۔ اس وقت تو وہ آفس میں ہوگی۔ آج وہ دیر سے آئے گی۔ دراصل وہ ایک کمپنی میں سیلز آفیسر ہے۔ اسے اکثر دیر ہو جاتی ہے۔ میں تمہارا پیغام اس تک پہنچادوں گی لیکن شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تکلیف میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔

میں کل تمہاری امی کی خیریت دریافت کرنے آؤں گی۔ عایشہ کی امی نے کہا پھر بات چیت کا یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ معیز اٹھنا چاہتا تھا مگر عایشہ کی امی کے اصرار پر وہ چائے کے لئے رک گیا۔

دوسرے دن شام کو عایشہ کی امی ان کے گھر آئی تھیں۔ معیز صرف ان کے لئے خاص طور پر گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ عایشہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ اس کی امی نے ایک بار پھر اس کی طرف سے معذرت کی کہ اسے کوئی ضروری کام تھا۔ اس لئے وہ نہیں آسکی۔

رابعہ نے عایشہ کی امی کو زبردستی کھانے پر روک لیا تھا اور کھانے پر ان کے لئے خصوصی اہتمام کیا تھا باتوں باتوں میں انہوں نے عایشہ کی امی سے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔

ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے سب سے بڑا بیٹا امریکہ میں ہوتا تھا اور اس نے وہیں شادی کر رکھی تھی۔ اس کے بعد عایشہ تھی۔ اس سے چھوٹی فریحہ تھی جس کی شادی اس کے تایا کے بیٹے سے ہوئی تھی اور ایک بیٹی اور بیٹا بالترتیب بی اے اور ایف ایس سی میں پڑھتے تھے۔

عایشہ کی امی سادہ مزاج کی تھیں اور یہی خصوصیات رابعہ میں تھیں اس لئے دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے کافی محظوظ ہوئی تھیں۔

آہستہ آہستہ دونوں گھروں میں میل جول شروع ہو گیا۔ رابعہ کو عائشہ سے ملنے کا جتنا اشتیاق تھا وہ ان سے اتنا ہی کترا رہی تھی۔ ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ ان کے گھر نہیں آئی تھی۔ ہر بار اس کی امی اس کی مصروفیت کا بہانہ بنا دیتیں۔ رابعہ کا اشتیاق بڑھتا ہی گیا تھا اور یہی اشتیاق ایک دن انہیں بنا بتائے عائشہ کے گھر لے گیا تھا۔ وہ وہیل چیئر پر نرس کی مدد سے اس کے گھر گئی تھیں۔ عائشہ کی امی انہیں دیکھ کر حیران ہو گئی تھیں۔ انہوں نے رابعہ کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر ان کے اصرار پر عائشہ کو بلانے چلی گئیں۔ دس پندرہ منٹ بعد سفید کھدر کے کرتے اور سیاہ شلوار اور دوپٹہ میں ملبوس تراشیدہ بالوں والی ایک دراز قد لڑکی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ اس نے اندر آتے ہی رابعہ کو سلام کیا اور پھر صوفہ پر بیٹھ گئی۔

تم عائشہ ہو؟ رابعہ نے بے اختیار اس سے پوچھا۔

ہاں، آپ کیسی ہیں؟ رابعہ نے بیساختہ بازو پھیلا دیئے۔ اس نے حیرانی سے ان کو دیکھا اور پھر جیسے کشمکش میں پڑ گئی۔ رابعہ نے ایک بار پھر اسے اپنے پاس بلایا۔ اس بار وہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آ گئی، رابعہ نے پاس آنے پر اسے گلے لگایا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ وہ یک دم جیسے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ تب ہی اس کی امی کمرے میں آ گئی تھیں۔

وہ کچھ نروس سی دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گئی۔ رابعہ اس کا شکریہ ادا کرتی رہیں مگر وہ گونگوں کی طرح گم صم بیٹھی رہی پھر کچھ دیر بعد وہ کسی کام کا بہانہ بنا کر اٹھی اور دوبارہ اندر نہیں آئی۔ رابعہ کافی دیر تک عائشہ کی امی کے پاس بیٹھی رہیں اور پھر گھر واپس آ گئیں۔

معیز جب رات کو گھر آیا تو رابعہ نے اسے عائشہ سے ملاقات کا قصہ بڑی بے چینی سے سنایا وہ ماں کی بے تابی پر مسکراتا رہا۔

آپ ایسا کریں امی ان کی پوری فیملی کو کھانے پر بلائیں۔ میں بھی عائشہ سے مل لوں گا اور اس کا شکریہ ادا کر دوں گا۔ آپ تو کر ہی چکی ہیں۔

اس نے کھانا کھاتے ہوئے سرسری انداز میں رابعہ سے کہا تھا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ میں ان لوگوں کو کھانے پر بلاؤں گی۔ رابعہ کو اس کی تجویز اچھی لگی تھی۔

تیسرے دن انہوں نے عائشہ کی امی کو کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ عائشہ کی امی نے شروع میں انکار کیا مگر رابعہ نے اتنا اصرار کیا کہ وہ دعوت قبول کرنے پر تیار ہو گئیں۔ لیکن جس دن وہ لوگ کھانے پر آئے تھے اس دن عائشہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ رابعہ کو مایوسی ہوئی۔ ان کے پوچھنے پر عائشہ کی امی نے کہا کہ عائشہ آج کسی دوست کی شادی پر گئی ہے، اس وجہ سے نہیں آ سکی۔ رابعہ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئیں۔

پھر ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا تھا۔ وہ مختلف تقاریب میں عائشہ کو بلا لیتیں مگر عائشہ کی فیملی تو ان کے گھر آ جاتی مگر وہ کبھی نہیں آئی۔ دو تین بار رابعہ نے خود جا کر بھی اسے آنے کی دعوت دی وہ خاموشی سے ہامی بھر لیتی مگر پھر نہیں آتی۔ رابعہ کو یہ محسوس ہونے لگا جیسے وہ ان سے کترانے کی کوشش کرتی ہے اور یہ بات انہیں کافی عجیب لگی تھی۔ عائشہ کے گھر وہ اکثر جاتی رہتی تھیں مگر عائشہ سے ان کا سامنا بہت کم ہی ہوتا تھا اگر ہو بھی جاتا تو بھی عائشہ سلام دعا کے

بعد اپنے کمرے میں چلی جاتی اور دوبارہ سامنے نہ آتی اور پھر اگر عائشہ سے ملنا بھی چاہتیں تو بھی وہ نیچے نہ آتی اور انہیں یوں لگتا جیسے عائشہ کی امی بھی یہ نہیں چاہتیں کہ عائشہ زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھے۔ عائشہ کے برعکس سب سے چھوٹی بہن معصومہ سارا وقت ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ رابعہ کو اس کی عادات بہت پسند تھیں اور وہ اکثر اوقات اسے اپنے گھر کسی نہ کسی کام کے لئے بلاتی رہتیں۔

اس دن رابعہ نے اپنے گھر میلاد کروایا تھا۔ چھٹی ہونے کی وجہ سے عائشہ بھی گھر پر ہی تھی۔ رابعہ نے ایک دن پہلے عائشہ کی امی کو اس تقریب کے بارے میں بتا دیا تھا۔ حسب معمول عائشہ کی امی معصومہ کے ساتھ رابعہ کے ہاں چلی آئی تھیں۔ عائشہ کو ان کے ساتھ نہ دیکھ کر رابعہ نے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور پھر اسے خود بلانے کے لئے اس کے گھر چلی آئی تھیں۔ عائشہ کے بہانوں کے باوجود وہ پہلی بار اسے زبردستی اپنے گھر لے آئی تھیں۔ یہاں آ کر عائشہ قدرے نروس ہو گئی تھی۔ رابعہ نے باری باری اسے اپنے پورے خاندان سے متعارف کروایا تھا اور وہ رابعہ کے منہ سے اپنی تعریفیں سن سن کر شرمندہ ہوتی رہی تھیں۔ رابعہ کے اصرار کی وجہ سے اسے تقریب کے اختتام تک رکنا پڑا اور نہ وہ بہت پہلے واپس آ جانا چاہتی تھی۔

اس تقریب کے بعد رابعہ اسے اکثر ضد کر کے اپنے گھر لے جانے لگی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی بات مان لیتی اور ان کے گھر آ جاتی اور پھر یہ جیسے ایک معمول ہو گیا تھا۔ وہ اکثر اس وقت رابعہ کے گھر جاتی تھی۔ جب معیز گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ چھٹی والے دن بھی وہ فیکٹری چلا جایا کرتا تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں کی کبھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مگر صرف ملاقات نہیں ہوئی تھی ورنہ رابعہ کی زبانی وہ معیز کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی۔ وہ کیا کھاتا ہے۔ کیا پہنتا ہے کیا پسند کرتا ہے۔ کیا ناپسند کرتا ہے۔ اس نے بچپن کیسے گزارا کتنی محنت کی ہے کون کون سی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ کیسی تنگی دیکھی ہے۔

رابعہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ان کی زبان پر ہر وقت معیز کا نام ہی رہتا تھا۔ وہ چپ چاپ ان کی زبان سے معیز کے قصے سنتی رہتی اور ان کا چہرہ دیکھتی رہتی۔ معیز کے نام پر ان کا چہرہ چمکنے لگتا تھا۔

شروع شروع میں وہ صرف مروتاً رابعہ سے معیز کے قصے سنا کرتی تھی اور اکثر رابعہ کی ایسی گفتگو کے دوران اس کا دماغ کہیں اور پہنچا ہوا ہوتا تھا۔ رابعہ اپنی دھن میں بولتی جاتیں۔ انہیں اندازہ ہی نہ ہو پاتا کہ وہ متوجہ نہیں ہے مگر پھر آہستہ آہستہ اسے معیز اور اس کی زندگی میں دلچسپی ہونے لگی تھی۔ وہ اسے اپنے جیسا لگنے لگا تھا۔ گر گر کر اٹھنے والا ٹھوکریں کھا کر سنبھلنے والا۔

اس دن بھی وہ اس سے دوسری باتیں کرتے کرتے معیز کا ذکر لے بیٹھی تھی۔

دنیا میں بہت سے لوگوں کی اولاد نیک اور تابعدار ہوتی ہے مگر میں کہتی ہوں، جتنا ادب، لحاظ اور مروت معیز میں ہے میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ میری عزت تو کرتا ہی ہے۔ ظاہر ہے میں اس کا ماں ہوں مگر دیکھو عائشہ میرے بیٹے کا ظرف کتنا بلند ہے کہ اپنے ان رشتہ داروں

کی بھی عزت کرتا ہے جنہوں نے پوری زندگی اس کا مزاق اڑایا۔مجال ہے جو کبھی اس نے کسی
کو جتایا ہو کہ اس نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا میرے بھائیوں اوران کی اولادوں
نے ساری عمر اسے ذلیل کیا، اس کی شکل سے لے کر لباس اور کھانے پینے کے طریقے تک پر
اعتراض کرتے رہے۔ مزاق اڑاتے رہے۔ بے عزت کرتے رہے۔مگر معیز کا اتنا حوصلہ ہے
کہ وہ جب بھی ان سے ملتا ہے، بہت ہنس کر ملتا ہے۔ میرے بھائی کہتے ہیں کہ اتنی عزت ان
کی اپنی اولاد نہیں کرتی جتنی معیز ان کی کرتا ہے۔کبھی اس نے انہیں پلٹ کر جواب نہیں دیا۔
ان سے بدتمیزی نہیں کی۔ ان کے جھڑکنے پر ناک بھوں نہیں چڑھائی۔ کبھی ان کے سامنے
اونچی یا تیز آواز میں بات نہیں کی۔ پہلے کی تو خیر بات ہی اور تھی، وہ ان کے گھر پہ رہتا تھا،
عزت کرنے پر مجبور تھا مگر وہ اب بھی جب اسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ان کی اسی طرح عزت
کرتا ہے۔

میں کہتی ہوں۔ خدا معیز جیسی اولاد سب کو دے۔ اسے اس کے صبر، برداشت اور محنت کا
اجر ملا ہے۔ جب یہ چھوٹا ہوتا تھا تو مجھے خیال آتا تھا کہ میں اسے کس طرح پالوں گی۔ یہ اتنا
ضدی اور بدتمیز ہوتا تھا مگر ناصر کے مرنے کے بعد اس میں خود برداشت پیدا ہو گئی۔ مجال ہے
اس نے کبھی بچپن میں مجھے عام بچوں کی طرح مختلف چیزیں مانگ مانگ کر تنگ کیا ہو۔ بس جو
لا دیتی تھی خاموشی سے لے لیتا تھا۔بعض دفعہ تو مجھے رونا آ جاتا تھا کہ یہ عام بچوں کی طرح ضد
کیوں نہیں کرتا۔ مجھے یہی خوف رہتا تھا کہ یہ کہیں بگڑ نہ جائے مگر خدا کا ایسا کرم ہے کہ مجھے کبھی
اس کی نگرانی کرنی نہیں پڑی۔اس کی زندگی اتنی سیدھی گزری ہے۔

وہ معیز کے بارے میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں اور عائشہ بیزار ہونے کے بجائے مستقل
ان کی باتیں سن رہی تھی اور اس کی دلچسپی اب پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

☆

اس دن چھٹی تھی۔ وہ حسب معمول صبح دس بجے اٹھی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد یک دم اس
کا دل رابعہ کے گھر جانے کو چاہا اور وہ ان کی طرف آ گئی۔ وہ سیدھا ان کے کمرے کی طرف
آئی اور دروازہ بجا کر حسب عادت اندر داخل ہو گئی۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ یک دم گڑبڑا
گئی تھی کیونکہ کمرے میں رابعہ کے بجائے صوفہ پر معیز اخبار لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ
کھڑا ہو گیا۔عائشہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔

السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟ اسے گھبراتے دیکھ کر معیز نے کہا تھا۔ وہ قدرے حیران
ہوئی کہ کسی تعارف کے بغیر وہ اس کا حال کیسے دریافت کر رہا ہے لیکن اس نے اس کے سلام کا
جواب دے دیا۔

امی نہا رہی ہیں۔ بس ابھی آ جائیں گی۔ آپ پلیز بیٹھیں۔ وہ صوفہ چھوڑ کر خود بیڈ کی
طرف چلا گیا تھا۔

نہیں، میں پھر آ جاؤں گی۔

عائشہ آپ کو دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امی واقعی تھوڑی دیر میں باہر آ جائیں گی۔

اس بار عائشہ کی حیرت میں اضافہ ہوا تھا اس کی زبان سے اپنا نام سن کر۔

آپ پلیز بیٹھیں، مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ عائشہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور صوفہ پر بیٹھ گئی۔

میں اصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ امی کی مدد۔ معیز نے بات شروع کی تھی لیکن عائشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

آپ پلیز اس بات کو رہنے دیں۔ یہ بہت پرانا واقعہ ہے، اب تو اسے کئی ماہ گزر چکے ہیں۔

میں اسی سلسلے میں شرمندہ ہوں کہ پہلے آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکا۔ حالانکہ میں آپ سے پہلے ہی ملنا چاہتا تھا لیکن بس کچھ مصروفیات کی وجہ سے مل نہیں سکا۔

لیکن میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ اس سلسلے میں شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس لئے یہاں نہیں آئی ہوں۔ عائشہ کے انداز میں بے بسی تھی۔ معیز خاموش ہو گیا۔

امی اکثر آپ کے بارے میں بتاتی رہتی ہیں۔ بہت تعریف کرتی ہیں آپ کی۔ معیز کے جملے پر عائشہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور معیز کو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے یقینی نظر آئی۔ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ عائشہ نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔

آپ جاب کرتی ہیں؟ معیز نے گفتگو کا سلسلہ ایک پھر جوڑنے کی کوشش کی تھی۔

ہاں۔

کہاں پر؟ عائشہ نے معیز کو چند جملوں میں اپنی جاب اور کمپنی کے بارے میں بتایا۔

جاب پسند ہے آپ کو؟ چند لمحوں بعد اس نے پوچھا تھا۔

پتا نہیں، میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔ معیز عائشہ کے جواب پر کچھ حیران ہوا تھا۔ کچھ دیر وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ خطرناک حد تک خوبصورت تھی۔ بہت چبھتے ہوئے تیکھے نقوش تھے اس کے خاص طور پر اس کی آنکھیں۔ کوئی بہت ہی عجیب تاثر تھا اس کی آنکھوں میں جو دوسروں کو یکدم چپ ہو جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ معیز نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ دونوں کے درمیان اس دن مزید گفتگو نہیں ہوئی۔ دونوں خاموش بیٹھے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد رابعہ نہا کر باہر نکل آئی تھیں اور معیز اٹھ کر کمرے سے آ گیا۔

☆

پھر ان دونوں کی اکثر ملاقات ہونے لگی تھی۔ معیز خلاف عادت اتوار کو گھر پر رہنے لگا تھا۔ لاشعوری طور پر اسے عایئشہ کا انتظار رہتا تھا اور جس دن عایئشہ نہ آتی، اسے ایک نامعلوم سی بے چینی رہتی۔ دونوں کے درمیان آہستہ آہستہ گفتگو بھی ہونے لگی تھی۔ پھر گفتگو کا یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ وہ دونوں پارک میں بھی ملنے لگے۔ عایئشہ شام کے وقت گھر کے قریب پارک میں وقت گزارنے جایا کرتی تھی اور معیز بھی وہیں جاگنگ کے لئے جایا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ پارک میں عایئشہ کے ساتھ واک کیا کرتا تھا۔ وہ بہت اچھا سامع تھا۔ شروع میں وہ صرف عایئشہ کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ اسے تب احساس ہوا تھا کہ وہ اتنی خاموش طبع نہیں ہے جتنی وہ اسے تب تک نظر آئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بھی بولنے لگا تھا۔ بہت سی باتیں جو اس نے آج تک کسی سے نہیں کی تھیں وہ اس سے کرنے لگا تھا۔

پاپا سب کچھ تھے میرے لیۓ۔ دوست، ساتھی، باپ سب کچھ۔ جب ان کی ڈیتھ ہوئی تو میں سولہ سال کی تھی۔ بہت دنوں تک مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔ جب یقین آیا تو میرے لئے دنیا ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس دن بھی وہ پارک میں بیٹھے ہوئے تھے جب وہ اپنے والد کی بات کرنے لگی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب میں دنیا میں کیسے رہوں گی۔ پاپا کے بغیر کچھ کرنا مجھے بہت ناممکن سا لگتا تھا۔ پھر ہر ایک نے جی بھر کے لفٹ کیا ہمیں۔ دودھیال والوں نے ننھیال والوں نے، ہر ایک نے۔ کسی نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔ میں نہیں جانتی تھی، پاپا کے نہ ہونے سے فرق پڑے گا۔ پاپا نے ہمیشہ سب کی مدد کی تھی۔ کبھی کسی کو دھوکا دیا تھا نہ مایوس کیا تھا مگر وہ سب احسان فراموش نکلے، سانپ کی طرح۔ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا جیسے انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا۔ عایئشہ کے لہجے میں بہت تلخی تھی۔

سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ تمہارے رشتہ دار اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ دنیا ہی ایسی ہے۔ معیز نے اس سے کہا تھا۔

سب تو ایسا نہیں کرتے جس طرح انہوں نے کیا تھا۔ وہ اب بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

عایئشہ لوگوں کو معاف کر دینا چاہیئے۔ اس طرح۔ عایئشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

کیا آپ نے معاف کر دیا؟ آپ نے بھی تو بہت کچھ برداشت کیا ہے، ایسے ہی حالات سے گزرے ہیں آپ۔

میں نے کبھی کسی کو مجرم سمجھا ہی نہیں۔ ہر چیز کی تلافی اللہ نے کر دی تھی پھر میں کسی سے نفرت کر کے کیا کرتا۔ وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

آپ بہت عجیب ہیں، اپنے گھر میں ان لوگوں کو آنے دیتے ہیں۔ اس طرح ہنسی خوشی ملتے ہیں جیسے انہوں نے کبھی کچھ کیا ہی نہیں۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ ان سب لوگوں کو باری باری بتائیں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ انہیں آئینہ دکھائیں ان

کے ساتھ میل جول ختم کر دیں۔

وہ اس کی بات پر مسکرانے لگا تھا۔نہیں، میں نے یہ کبھی نہیں چاہا۔ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ زندگی ہے اس میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے ظرف کو بہت بڑا کرنا پڑتا ہے۔میں ان جیسا بننا نہیں چاہتا، کسی کو بے عزت نہیں کر سکتا۔

وہ اب جھیل میں بوٹنگ کرتے لوگوں کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ اضطراب کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ واقعی بہت عجیب تھا، بہت اعلا ظرف تھا۔

آپ کے لئے یہ سب کہنا اور کرنا بہت آسان ہے۔آپ نے میرے جیسی زندگی نہیں گزاری۔سیلز آفیسر کی جاب بھی کوئی جاب ہوتی ہے۔ ہر وقت مسکراہٹ، ہر وقت نرمی۔جن لوگوں کو میرا دیکھنے کو دل نہیں چاہتا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینی پڑتی ہے۔اب یہ سب اتنا نا قابل برداشت نہیں ہے جتنا پہلے تھا۔اس جاب کی وجہ سے مجھے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ نفرت ہوئی تھی۔ مجھے ان کی خود غرضی کی وجہ سے گھر سے باہر نکل کر اس طرح کی جاب کرنا پڑی تھی۔

معیز نے اسے دیکھا۔

اب تو آپ کو کوئی مجبوری نہیں ہے۔آپ کا بھائی گھر کو سپورٹ کر رہا ہے پھر آپ یہ جاب چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتی ہیں۔

عائشہ نے اس کی بات پر نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا لیکن اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

شاید آپ ان سہولیات کو چھوڑنا نہیں چاہتیں جو اس جاب کی وجہ سے آپ کو حاصل ہیں۔ ہر جاب گاڑی، موبائل اور اتنی تنخواہ نہیں دیتی جتنی آپ کو ملتی ہے۔

وہ معیز کی بات پر ایک بار پھر خاموش رہی تھی لیکن اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔معیز کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ایسا اکثر ہوتا تھا۔وہ بات کرتے کرتے چپ ہو جاتی تھی اور پھر معیز کے لاکھ اصرار پر بھی کچھ نہ بولتی۔بس گھر چلی جاتی وہ حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہ جاتا۔

☆

آؤ عائشہ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔اس شام رابعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

آپ کو کیوں انتظار تھا میرا؟

بس آج مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ وہ ان کے جملے سے زیادہ ان کے انداز پر چونکی تھی۔ وہ بہت خوش، بہت پر جوش نظر آ رہی تھیں۔

ایسی بھی کیا بات ہے؟ وہ کچھ الجھ گئی تھی۔

بتا دوں گی۔تم پہلے چائے تو پیو۔ رابعہ نے ملازم کو چائے لاتا دیکھ کر کہا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ملازم نے چائے بنا کر کپ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔رابعہ بھی چائے پینے میں مصروف

ہو گئیں۔

یہ بات اصولاً تو مجھے تم سے نہیں تمہارے گھر والوں سے کرنی چاہیئے تھی۔ چائے کے چند گھونٹ لینے کے بعد رابعہ نے بات شروع کی تھی۔ لیکن معیز کا اصرار تھا کہ پہلے میں تم سے بات کروں۔ دراصل معیز تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ رابعہ کی بات پر دم بخود رہ گئی تھی۔

وہ تمہیں بہت پسند کرتا ہے اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ میں بھی۔ رابعہ کہہ رہی تھیں۔ میں نے معیز کے لئے جس طرح کی لڑکی کا سوچا تھا، تم بالکل ویسی ہو۔ نیک، باکردار، نرم دل، سمجھدار، باادب۔

عائشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ میں نے ہمیشہ خدا سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے میری بہو میں یہ ساری خصوصیات ضرور دے مگر اللہ نے مجھے میری دعا سے بڑھ کر نوازا ہے۔ تم میں تو اتنی خوبیاں ہیں عائشہ کہ میں گنوانا چاہوں بھی تو گنوا نہیں سکتی۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں تم جیسی اولاد ملتی ہے اور میں چاہتی ہوں، اس خوش نصیبی کو اپنا مقدر بنالوں۔ معیز نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پہلے تمہاری رائے لوں۔ اس کے بعد رشتہ لے کر تمہارے گھر جاؤں۔ میں نے تو اس سے کہا تھا کہ عائشہ کسی اور کو پسند نہیں کرسکتی۔ وہ ایسی لڑکی ہی نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ کبھی مجھ سے ذکر تو کرتی مگر اس نے کہا کہ میں پھر بھی پہلے تم سے پوچھوں۔ اس کے بعد ہی بات آگے بڑھاؤں۔

وہ جیسے کسی سکتے کے عالم میں تھی۔ رابعہ کہتی جارہی تھیں۔

میرے بیٹے نے کبھی کسی کو دھوکا دیا نہ کسی کا دل دکھایا ہے۔ ہر ایک پر احسان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسے خدا نے انعام کے طور پر تمہارے جیسی لڑکی سے ملوایا ہے۔ اب تم بتاؤ عائشہ، تمہاری کیا رائے ہے۔ میں کب تمہارے گھر تمہاری امی سے بات کرنے آؤں؟

وہ اب عائشہ سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ رابعہ کے چہرے پر موجود اعتماد اور فخر کی چمک نے اس کے پورے وجود کو تاریک کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کپ رکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

مجھے کچھ وقت دیں۔ میں ابھی آپ کو اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔

وہ پارک میں اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ معیز نے اسے دور سے دیکھ لیا تھا۔ قدموں کی چاپ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ معیز کو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے قیافہ شناسی کا دعوا نہیں تھا مگر وہ چہرہ شناس ضرور تھا۔

السلام علیکم۔ اس نے عائشہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ وہ جواب دیئے بغیر یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ معیز کو یوں لگا جیسے وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں تھی۔ اسے ہمیشہ اس کی آنکھیں بولتی ہوئی لگی تھیں اور آج پہلی بار اسے وہ آنکھیں گونگی

لگی تھیں۔

کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے عائشہ؟ وہ نرم لہجے میں کہتا اس سے کچھ فاصلے پر بینچ کے دوسرے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس نے معیز کو دیکھنا بند کر دیا تھا۔ وہ دور جاگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

مجھے کچھ بتانا ہے، اپنے بارے میں کچھ ایسی باتیں جو آپ نہیں جانتے۔ وہ سامنے نظریں جمائے آہستہ سے بولی تھی۔

کیا یہ بہت ضروری ہے۔ معیز نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

ہاں، بہت ضروری ہے۔ اس بار معیز کو اس کی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ آپ اور آنٹی مجھے جو سمجھ رہے ہیں میں وہ نہیں ہوں۔ وہ اس کی بات پر چونکا نہیں تھا بس سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

میں آپ کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی۔ آپ نے زندگی میں بہت محنت کی ہے۔ بہت تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اب آپ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ میرے جیسے لڑکی آپ کی زندگی میں شامل ہو۔ میں اتنی پاکیزہ، مقدس اور نیک نہیں ہوں جتنا آپ دونوں مجھے سمجھتے ہیں۔ میں ہر لحاظ سے تھرڈ کلاس ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں آپ دونوں کو دھوکا دیتے ہوئے آپ کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ آپ کے سکون کو تباہ کروں۔ میں یہ سب آنٹی سے کہنا چاہتی تھی مگر مجھ میں اتنا حوصلہ، اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ مجھے پتا نہیں کیا سمجھتی ہیں اور میں انہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں کتنی عام، گری ہوئی لڑکی ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں سب کچھ آپ کو بتا دوں۔ آپ آنٹی کو خود ہی میرے بارے میں بتا دیجیے گا۔

وہ بات کرتے کرتے رک گئی معیز نے اسے اپنے ہونٹ بھینچتے ہو دیکھا یوں جیسے وہ کچھ بتانے کے لیے ہمت مجتمع کر رہی ہو۔ پھر اس نے سر جھکا لیا۔

چار سال پہلے مجھے اپنے تایا کے بیٹے سے محبت ہو گئی تھی۔ تب ہم ان کی فیملی کے ساتھ نہیں ملتے تھے۔ میں کسی کو بھی اپنے گھر آنے نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک بار میرے آفس آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ وہ چاہتا تھا میں اپنے خاندان کو ان کے خاندان سے ملنے سے نہ روکوں۔ ان کے خاندان پر پابندیاں نہ لگاؤں۔ شروع میں مجھے اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ اب بات کرتے ہوا اپنی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بار بار آتا رہا۔ بار بار مجھ سے کہتا رہا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آہستہ آہستہ مجھے اس کی باتوں پر یقین ہونے لگا۔ پھر تایا کی فیملی سے ہمارے تعلقات بحال ہونے لگے۔ وہ لوگ ہمارے گھر آنے جانے لگے۔ پھر ایک دن حاذق نے مجھے بتایا کہ اس کے ماں باپ میرا رشتہ مانگنے کے لیے ہمارے گھر آئیں گے۔ اس نے اپنے ماں باپ کو ہمارے گھر بھجوایا لیکن انہوں نے میرا نہیں فریحہ کا رشتہ مانگا۔ انہوں نے کہا یہ سب حاذق کی خواہش پر ہو رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ میں نے حاذق سے پوچھا تو اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کبھی بھی نہ تو مجھ سے محبت کرتا

تھا نہ ہی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اور فریحہ ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔

ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ مگر ان کی شادی تب تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک میں امی کو تایا کی فیملی سے تعلقات بحال نہ کرنے دیتی۔ انہوں تعلقات بحال کروانے کے لئے یہ طریقہ سوچا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ رہ ہی نہیں گیا تھا۔ حاذق نے مجھ سے معذرت کر لی مگر فریحہ نے نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ ٹھیک تھی، اس نے بالکل صحیح کیا تھا۔ غلطی تو مجھ سے ہوئی تھی۔

امی نے حاذق کا رشتہ منظور کر لیا۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ مجھے اپنا وجود بالکل بیکار لگنے لگا۔ میں ایک ایسی چیز بن گئی جس سے کوئی بھی محبت کرتا تھا نہ ہی پسند کرتا تھا۔ بس کو اعتراض ہونے لگا تھا۔ میری ہر بات پر، ہر کام پر۔

فریحہ کی شادی پر احمر بھی آیا تھا اس نے بھی وہاں شادی کر لی تھی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اب اس جاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے میں یہ جاب چھوڑ دوں اور گھر بیٹھ جاؤں۔ اسے میرے کردار پر دوسروں کی طرح اعتراضات تھے۔

میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ اس نے میرے ساتھ سارے تعلقات ختم کر دیے۔ جب تک گھر والوں کو میری ضرورت تھی وہ مجھے استعمال کرتے رہے۔ جب انہیں میری ضرورت نہیں رہی تو انہوں نے مجھے ایک ستعمال شدہ چیز کی طرح پھینک دیا۔ پہلے میں گھر کو سپورٹ کرتی تھی کیونکہ احمر امریکہ میں سیٹل نہیں ہو رہا تھا پھر اس نے باہر سے نمی چوڑی رقم کے ڈرافٹ بھیجنا شروع کر دیے۔ تب کسی کو میرے چند ہزار کی ضرورت نہیں رہی تو گھر میں میرا عمل دخل بھی ختم کر دیا گیا۔ ان دنوں میں نے ڈرنک کرنا شروع کر دی۔

وہ بات کرتے کرتے ایک بار پھر رکی۔ معیز کا چہرہ اب بھی بیتاثر تھا۔

ڈرنک کے بعد کوکین پھر ہیروئن۔ گھر والوں کو شروع میں پتا نہیں چلا جب پتا چلا تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں وہ سب کچھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔ ہاں گھر چھوڑنے پر تیار تھی۔ ایسا کرتی تو شاید گھر والوں کی بہت بدنامی ہوتی۔ اس لیے انہوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر ان ہی دنوں آنٹی والا حادثہ ہوا۔ آپ لوگوں کیساتھ واقفیت بڑھی۔ میں نے آنٹی سے شروع میں بچنے کی بہت کوشش کی۔ میں نہیں چاہتی تھی وہ میرے بارے میں کچھ جانیں مگر ایسا نہیں ہوا، مجھے نہیں پتا کس طرح میں ان کے پاس جانے لگی۔ شاید مجھے کوئی سہارا چاہیے تھے۔ محبت کے چند لفظ چاہیے تھے۔ وہ آپ کے بارے میں بات کرتی رہتی تھیں آپ نے بچپن کس طرح گزارا۔ کتنی تنگی برداشت کی۔ رشتہ داروں کے ہاتھوں کتنی ذلت اٹھائی۔ مجھے آپ سے انس ہونے لگا۔ مجھے آپ کی زندگی اپنی جیسی لگتی تھی۔ پھر میں لاشعوری طور پر آپ کے پاس آنے لگ۔ آپ سے باتیں کرنے لگی اور تب میرا دل چاہا میں زندگی سے محبت کروں۔ میں وہ سب کچھ چھوڑ دوں جس کی میں عادی ہو چکی تھی اور میں نے یہی کیا۔ میں نے ایک سینٹر جوائن کیا اور ڈرگز کو چھوڑ دیا۔ گھر والے آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں ڈرگز استعمال کرتی ہوں لیکن

میں نہیں کرتی۔ میں نے آپ کو پہلے بھی یہ سب نہیں بتایا مجھے خوف تھا دوسروں کی طرح
آپ بھی مجھ سے نفرت کریں گے۔ رابعہ آنٹی مجھے اپنے گھر نہیں آنے دیں گی میں ایک بار
پھر پہلے کی طرح اکیلی رہ جاؤں گی۔ میں ماضی کو دفن کر دینا چاہتی تھی مگر ماضی دفن ہی تو
نہیں ہوتا۔ آپ نے زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے کیا آپ کے مقدر میں میرے جیسی
کرپٹ لڑکی ہونی چاہیے؟ میں نے آپ کے پرپوزل دیے جانے کے بعد یہی سوچا تھا پہلے
میرا دل چاہا تھا کہ میں آپ کو کچھ بھی نہ بتاؤں سب کچھ چھپا ہی رہنے دوں۔ مگر یہ سب بہت
مشکل ہے۔ مجھے رابعہ آنٹی اور آپ سے خوف آنے لگا ہے۔ میں آپ دونوں کو پچھلے چھ ماہ
سے بلف کر رہی ہوں۔ آپ دونوں مجھے بہت پاکیزہ، نیک، ایثار پسند سمجھتے ہیں حالانکہ میں تو
ایسی ہوں ہی نہیں۔ میری حقیقت کبھی نہ کبھی تو آپ لوگوں کے سامنے کھل ہی جاتی پھر آپ
لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ میں اپ سے شادی نہیں کرتی۔ آپ کسی اچھی سی لڑکی سے
شادی کریں یا پھر معصومہ سے شادی کر لیں وہ ہر لحاظ سے آپ کے قابل ہے۔ ہر لحاظ سے مجھ
سے بہتر ہے۔ میرے جیسے عیب نہیں ہیں اس میں، آپ اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی
گزاریں گے۔ وہ رابعہ آنٹی کو بھی بہت پسند ہے۔ وہ معصومہ جیسی بہو ہی چاہتی ہیں۔

وہ خاموش ہو گئی۔

ایک کہانی سنیں گی آپ؟ جو جملہ اس کی تمام گفتگو کے بعد اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔
اس نے اسے حیران کر دیا تھا وہ سر اٹھا کر معیز کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

آج سے چھبیس سال پہلے ایک بچے نے اپنی دنیا کو ختم ہوتے اور ایک نئی دنیا کو ابھرتے
دیکھا۔ ختم ہونے والی دنیا محبتوں، آسائشوں، رنگینیوں کی دنیا تھی اور نئی دنیا ذلتوں،
آزمائشوں اور ٹھوکروں کی دنیا تھی۔ اس دنیا میں اس نے پچھلی دنیا کے کرداروں کو نئے چہروں
کے ساتھ دیکھا، اصلی چہروں کے ساتھ اور وہ چہرے بہت ہولناک تھے۔

وہ آنکھوں میں ابھرتی نمی کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اسے کیا سنا رہا تھا۔

اس نے ہر رشتے کو بہت معمولی، بہت بے معنی پایا۔ انسانوں پر سے اس کا اعتبار اٹھ گیا۔
لمبے عرصے تک وہ لوگوں سے خوف کھاتا رہا۔ پھر اس نے ایک بار پھر اپنی دنیا نئے سرے سے
بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسے ایک بار پھر پرانی دنیا میں اصلی کردار نقلی جہروں کیس اتھ چاہیے تھے۔
چھبیس سال تک اس نے ایک لمبی جدوجہد کی۔ اس جدوجہد میں اس نے بہت کچھ گنوایا۔ اپنی
منگیتر، اپنا بچپن، ماں کی توجہ اور وقت، اپنی تعلیم اپنی جوانی اور یہ سب گنوانے کے بعد وہ پرانی
دنیا کو دوبارہ سے تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تب وہ چونتیس سال کا ہو چکا تھا۔ تب اسے
محبت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس محبت کی نہیں جسے وہ روپے سے خرید سکتا تھا بلکہ اس
محبت کی جو اس کے وجود کی ساری کمیوں کو پورا کر دے پھر اسے ایک لڑکی ملی۔

اسکی آواز بہت دھیمی تھی۔ وہ اسے دیکھنے کے بجا پارک میں بیٹھے ہو لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

اسے لگا جیسے اس کی تلاش ختم ہو گئی تھی۔ وہ اسے ہر اعتبار سے اپنے جیسی لگی۔ اس لڑکی
میں بہت سی خامیاں تھیں، بالکل اس کی طرح مگر اسے تو اس کے وجود سے نہیں اس کے دل

سے محبت تھی جس نے ایک بار اس لڑکی کو اس کی ماں کو بچانے پر مجبور کیا تھا۔

کوئی چیز عائشہ کے گال بھگونے لگی۔ وہ اب بھی بول رہا تھا۔

بہت عرصہ دونوں نے اکٹھے گزارا پھر اس نے اس لڑکی کو پرپوز کر دیا۔ تب ایک دن وہ لڑکی اپنے پورے ماضی کو اٹھا کر اس کے سامنے پہنچ گئی۔ اسے بتانے لگی کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے وہ صاف گو اور ایماندار بننا چاہتی تھی۔ اس کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔

اپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں صاف گو بننا چاہتی ہوں نہ ایماندار میں تو صرف۔

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر معیز نے اس کی بات کاٹ دی۔

میں صرف حاذق کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ باقی سب کچھ جانتا تھا، یہ بھی کہ تم ڈرنک کرتی ہو۔ یہ بھی کہ تم ڈرگز لیتی ہو۔

اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ معیز آپ سے تم پر آ چکا تھا۔

میں نے تمہیں پرپوز کرنے سے پہلے تمہارے بارے میں سب کچھ پتا کروایا تھا جہاں تم کام کرتی ہو وہاں تمہاری ریپوٹیشن کیا ہے۔ تمہاری کمپنی کیسی ہے۔ پھر وہ rehabilitation سینٹر جہاں تم اپنے علاج کے لیے جاتی رہیں وہاں سے بھی میں تمہارا سارا ریکارڈ دیکھ چکا ہوں۔ جس عمر میں میں شادی کر رہا ہوں۔ اس عمر میں کوئی بھی مرد آنکھیں بند کر کے صرف محبت کے لیے شادی نہیں کرتا۔ میں نے بھی تمہارے بارے میں پوری چھان بین کی تھی۔ یہ بتاتا ہوں کہ مجھے شاک لگا تھا، یہ جان کر کہ تم ڈرگز استعمال کرتی رہی ہو۔ بیشک یہ بہت زیادہ مقدار میں نہیں تھا مگر پھر بھی کسی ڈرگ ایڈکٹ سے شادی کرنے کا فیصلہ کرنا کافی مشکل تھا۔ میں نے اس پر کافی سوچا، تمہارے حق میں سب سے بڑا پوائنٹ یہ جاتا تھا کہ تم ڈرگز سے نجات حاصل کر چکی تھی اب نارمل تھیں۔ اس لیے مجھے فیصلہ کرنے میں کچھ مشکل تو ہوئی لیکن میں نے بہر حال تمہارے حق میں ہی فیصلہ کیا۔

جہاں تک حاذق کا تعلق ہے تو میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں کہ تم ماضی میں کسے پسند کرتی تھیں یا کس سے محبت کرتی تھیں۔ مجھے اگر دلچسپی ہے تو صرف اس بات سے کہ تم اس وقت کس سے محبت کرتی ہو۔ عائشہ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت جذباتی ہو اور اس جذباتیت نے تمہیں بہت کمزور بنا دیا ہے۔ تم زندگی میں ہمیشہ سوچے سمجھے بغیر فیصلے کرتی رہی ہو۔ ہمیشہ اپنے ماضی کو سر پر اٹھا پھرتی رہی ہو۔ ہم میں سے کچھ اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں اور انہیں دوبارہ نہیں دہراتے کچھ غلطیوں سے بھی کچھ نہیں سیکھتے اور وہی غلطیاں دوبارہ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو ساری عمر اپنی غلطیوں کو پچھتاووں کی صورت میں ساتھ لیے پھرتے ہیں پھر وہ اپنی زندگی کو ہی ایک پچھتاوا بنا دیتے ہیں تم بھی اسی کیٹیگری میں اتی ہو۔

وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولتا جا رہا تھا۔

حاذق اور فریحہ نے تمہارے ساتھ جو کیا وہ اسے بھلا چکے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کی اچھی

زندگی ہے۔تم نے کچھ نہیں بھلایا بلکہ اپنے اپ سے نفرت کرنی شروع کردی۔کیوں؟ حاذق
ہی زندگی میں سب کچھ نہیں تھا اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔تم نے خود کو سب سے کاٹ لیا۔
سگریٹ نوشی شروع کردی پھر ڈرگز کیا ان چیزوں نے تمہاری مدد کی یہ چیزیں کبھی
کوئی حل پیش نہیں کرتیں کیونکہ وہ تو خود ہی ایک مسئلہ ہوتی ہیں۔تم نے اچھا کیا۔خود ہی ان
سے جان چھڑالی۔یہ تمہارے لیے اس لیے آسان ثابت ہوا کیونکہ تم ابھی انہیں بہت کم مقدار
میں استعمال کرتی تھیں اگر زیادہ مقدار میں کرتیں تو جتنی قوت ارادی تمہاری ہے تم کبھی بھی ان
چیزوں سے نجات حاصل نہ کرسکتیں۔تم نے زندگی میں دوسروں سے اتنا انتقام نہیں لیا جتنا اپنے
آپ سے لیا ہے۔تم خود کو دوسروں سے کاٹ کر انہیں سزا دینا چاہتی ہو تمہارا خیال ہے اس
طرح انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا یا کم از کم انہیں تکلیف تو ضرور ہوگی۔عائشہ حقیقی زندگی میں
ایسا کبھی نہیں ہوتا آپ صرف خود کو اکیلا کر لیتے ہیں۔انتقام لینے میں دوسروں کو کچھ تکلیف
ضرور ہوتی ہوگی انتقام لینے والے کی تو پوری زندگی، پوری ذات، پوری شخصیت مسخ ہوجاتی
ہے۔

اس کے گال ایک بار پھر بھیگنے لگے تھے۔وہ دھندلی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی
تھی۔

میں روز شام کو یہاں جاگنگ کرنے آتا تھا اور میں نے بہت دفعہ تمہیں شام گئے تک
یہاں بیٹھے دیکھا۔بعض دفعہ تم اسموکنگ کر رہی ہوتی تھیں تب میری تم سے کوئی زیادہ سلام دعا
نہیں تھی،اس لیے میں کبھی تمہارے پاس نہیں آیا لیکن میں حیران ضرور ہوتا تھا کہ تم پارک میں
آکر شام تک کیوں بیٹھی رہتی ہو۔آفس سے سیدھی گھر کیوں نہیں جاتیں۔پھر آہستہ آہستہ
مجھے اندازہ ہوا کہ تم دراصل گھر جانا ہی نہیں چاہتی تھیں تم اپنے ماحول سے فرار چاہتی تھیں۔کئی
سال پہلے میں بھی اسی طرح گھر سے بھاگتا تھا۔گھر سے باہر بے مقصد وقت گزارتا تھا۔گھر جانا
ہی نہیں چاہتا تھا میرا مسئلہ اور تھا۔امی کے علاوہ میرا کوئی نہیں تھا اور جو تھے ان سے مجھے انس
نہیں تھا نہ انہیں میری ضرورت تھی۔

اس کے لہجے میں اب عجیب سی افسردگی تھی۔وہ دم بخود اس کی باتیں سنتی جارہی تھی۔

مگر تمہاری تو ساری فیملی تھی پھر تم ان کے پاس کیوں جانا نہیں چاہتی تھیں۔تم ایک بار
دعوت پر ہمارے گھر آئیں تو اپنے گھر والوں کے پاس بیٹھنے کے بجا اکیلے ایک طرف بیٹھی
رہیں۔میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔میں تمہاری ذات کی گرہوں کو کھولنا
چاہتا تھا۔میں تمہارے اسرار کو بوجھنا چاہتا تھا۔پھر آہستہ اہستہ تمہارے بارے میں بہت کچھ
میرے علم میں آتا گیا۔تم جب بھی امی کے پاس آتی تھیں اپنے پاپا ہی کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔یاد
ہے تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔آپ بالکل میرے پاپا جیسے ہیں۔تم ہر مرد کے وجود میں اپنے
پاپا کو تلاش کیوں کرتی رہتی ہو۔تمہیں یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ وہ بہت سال پہلے مر چکے
ہیں اور کوئی دوسرا شخص کبھی بھی ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔میں جانتا ہوں، یہ مشکل ہے مگر یہ بہت
ضروری ہے۔میرے ڈیڈی بھی بچپن میں مر گئے تھے۔بہت دیر تک مجھے بھی سمجھ نہیں آیا

تھا کہ ہوا کیا ہے۔ بہت دیر تک ان کے بغیر مجھے چلنا نہیں آیا پھر میں نے حقیقت تسلیم کر لی۔ ان کے بغیر زندگی گزارنا سیکھا۔ عائشہ تم یہ کبھی نہیں کر سکیں۔ ہے نا؟

وہ بہت دھیمے بہت نرم لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بآواز روتی رہی۔

لیکن ان خامیوں کے سوا تم میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں۔ تم بہت ایثار پسند ہو، کرپٹ نہیں ہو، حیران کن بات یہ ہے کہ تم ایک بہت کامیاب سیلز آفیسر ہو۔ تمہارے آفس میں تمہاری ریپوٹیشن بہت اچھی ہے۔ اگر تم باہر کی دنیا میں ایک کامیاب انسان کے طور پر زندگی گزار سکتی ہو تو نجی زندگی میں بھی ایسا ممکن ہے۔ ابھی تمہارے پاس بہت وقت ہے۔ تم سب کچھ ٹھیک کر سکتی ہو۔ میں تمہاری امی سے بات کروں گا۔ احمر سے بھی بات کروں گا۔ تم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی جسے معاف کیا ہی نہ جا سکے۔ ایک دفعہ پھر سے تم اپنی فیملی کے ساتھ نئی زندگی شروع کر سکتی ہو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تمہاری امی اور گھر والوں کو تم سے محبت بھی ہے اور تمہاری ضرورت بھی۔ تم یہ سمجھنا چھوڑ دو کہ انہوں نے تمہیں استعمال کر کے پھینک دیا ہے۔ تم کوئی چیز نہیں ہو انسان ہو۔ انسانوں کو چھوڑا نہیں جاتا۔

پارک میں تاریکی پھیل چکی تھی۔ دور کہیں کچھ لائٹس جل رہی تھیں مگر ان کی روشنی ان دونوں تک نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ اسے معیز کا چہرہ اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف آواز سنائی دے رہی تھی۔ بعض دفعہ چہرے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف آوازوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی ایسی آواز کی جس میں آپ کے لئے ہمدردی ہو، جو آپ ک وجود کے تمام ناسوروں کے نشتر کی طرح کاٹ پھینکے اور پھر بہت نرمی سے ہر گھاؤ کو سی دے۔ اس وقت اس کی سماعتوں میں ایک ایسی ہی آواز آ رہی تھی، وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ زندگی گزارنے کا ہنر سکھا رہا تھا۔ اس کا محاسبہ کر رہا تھا۔ اس کے عیب دکھا رہا تھا۔ اسے کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ بہت عرصہ کے بعد وہ کسی کے سامنے اس طرح آنسو بہا رہی تھی اسے اپنے آنسوؤں پر شرمندگی نہیں تھی۔ وہ اس شخص کے سامنے بہہ رہے تھے جو اس کے اندر کو اس سے بھی بہتر جانتا تھا۔ وہ اس سے دوسرے لوگوں کی طرح کچھ بھی چھپا نہیں سکی تھی حتیٰ کی آنسو بھی۔

آؤ اب چلتے ہیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

ہاں اور امی کو اپنے بارے میں یہ بتانے کی حماقت مت کرنا۔ بہت سی چیزیں ان کے لیے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوں گی۔

ہو اس کے آگے چلتا ہوا کہتا جا رہا تھا۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہو واکنگ ٹریک پر آ گئے تھے۔ الیکٹرک پولز پر لگی ہوئی روشنیاں راستے پر چلتے ہو لوگوں کو بھی روشن کر رہی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے آگے چلتے ہو اس دراز قد، معمولی شکل کے غیر معمولی انسان کو دیکھا جو اسے ہمیشہ ہی بہت بہتر، بہت بلند تر لگا تھا اور آج اس کا قد کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

اختتام ---------------- TheEnd